وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۱ شمارہ نمبر ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ دسمبر ۲۰۲۳ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485

Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ● مطبع: اقراء اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان

شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

فلسطین پر اسرائیل کا وحشیانہ حملہ	شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	۳
غزہ پر اسرائیلی جارحیت اور ہماری ذمہ داری	شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۱۰
اسرائیل کے خلاف حملہ کیوں کیا گیا؟	دکتور محمد بن محمد الاسطل	۲۳
مسئلہ فلسطین......سال بہ سال	محمد احمد حافظ	۲۷
خودکار مہلک ہتھیاروں کی صنعت	جناب محمد اسرار مدنی	۳۵
درسِ نظامی کی بعض کتب کے درست نام	مولوی احمد شہزاد قصوری	۴۰
تدریب المعلمین پروگرام	جمع وترتیب: مولانا راحت اللہ مدنی	۵۳
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	۶۲

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

صدائے وفاق

فلسطین پر اسرائیل کا وحشیانہ حملہ

خطاب: شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

ضبط وتحریر: مولانا محمد انور حسین صاحب

فاضل...... جامعہ دار العلوم کراچی

فلسطین پر اسرائیل کے حالیہ جارحانہ وظالمانہ حملوں کی وجہ سے ہر دردمند مسلمان دِل گرفتہ ہے، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان ورئیس جامعہ دار العلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ۴/ ربیع الآخر ۱۴۴۵ھ (۲۰/ اکتوبر ۲۰۲۳ء) کو جمعۃ المبارک کے موقع پر حاضرین سے جو خطاب فرمایا وہ اہم معلومات اور چشم کشا نکات کا خزینہ ہے۔ افادہ عام کے لئے یہ وقیع خطاب ہدیہء قارئین ہے۔ (ادارہ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغرّ المحجّلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

میرے محترم بزرگو بھائیو اور دوستو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج کل ہم مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں ان میں کسی اور موضوع پر بات کرنا بے وقت معلوم ہوتا ہے۔ فلسطین کے مسلمانوں پر جو قیامت برپا ہے آج ہر مسلمان جس کو حالات کی خبر ہے وہ اس کی وجہ سے بے چین ہے۔ غزہ کے شہر میں جس وحشیانہ انداز میں بمباری کی گئی ہے تقریباً چار ہزار سے زیادہ مسلمان، شہری آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جبکہ زخمیوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اسپتالوں پر حملے ہو رہے ہیں جو مریض زیر علاج ہیں ان کے اوپر حملے ہو رہے ہیں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو اس وحشت ناک بربریت کا شکار ہو گئی ہے۔

غزہ شہر کے بہت بڑے حصے کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا گیا۔ ان معصوم بچوں کے تڑپنے، کراہنے اور درد سہنے کے حالات کی اطلاع سے ہر مسلمان کا دل بے چین ہے۔ عالمی طاقتیں جو اپنے آپ کو انسانی حقوق کی علم بردار کہتی ہیں وہ نہ صرف خاموشی سے تماشہ دیکھ رہی ہیں بلکہ اس درندگی کی حوصلہ افزائی کر رہی ہیں اور کھل کر یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہم اسرائیل کے ساتھ کھڑے ہیں۔

اس موقعہ پر دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

پہلی بات یہ ہے کہ اسرائیلی پروپیگنڈہ ہے جو ساری دنیا میں پھیلایا گیا ہے جس کی وجہ سے بہت سی حکومتیں جو غیر جانبدار بھی ہوں لیکن وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوئیں۔

بعض اوقات یہ سوال خود مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ حماس کو کیا پڑی تھی کہ وہ اسرائیل پر راکٹ داغ کر اس جنگ کو کھڑا کرتا، جب کہ اسے معلوم تھا کہ اسرائیل کی طاقت اس سے سوگنا سے بھی زیادہ ہے۔ یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی پشت پر امریکا و برطانیہ اور پورا یورپ کھڑا ہے۔ تو وہ چند راکٹ داغ کر کیسے اس جنگ میں فتح حاصل کر سکتا ہے؟ لہٰذا بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ حماس نے یہ خودکشی کا اقدام کیا ہے اور یہ کوئی عقل کی بات نہیں تھی کہ اتنی بڑی طاقت کو اس طرح للکار کر ایسی حالت میں جب کہ حماس کے پاس نہ کوئی فضائی طاقت ہے اور نہ اس درجے کے ہتھیار ہیں جیسے اسرائیل کے پاس ہیں اور امریکا اور برطانیہ ان کی مدد پر کھڑے ہیں۔ تو یہ ایک طرح سے خودکشی کا اقدام ہے۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ اسرائیل اپنی ذات میں کوئی قوت نہیں ہے۔ یہ ساری کی ساری قوت دے کر اس کو عالم اسلام کے بیچوں بیچ کھڑا کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد درحقیقت صرف فلسطین نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے مقابلے میں ان کے خیال میں ایک ناقابل تسخیر قوت پیدا کر دینا ہے۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان قائم ہوا اور ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ ہزاروں لوگوں کا خون بہا کر دیر یاسین (Deir Yassin)(۱) کے اندر مسلمانوں کو ذبح کر کے ظلم و ستم کی انتہا کر کے ان کو اپنے گھروں سے نکال کر ۱۹۴۸ء میں یہودی ریاست قائم کی گئی، اسی وقت قائد اعظم محمد علی جناح نے یہ کہا تھا کہ یہ مغربی طاقتوں کا ناجائز بچہ ہے۔ ایک طرف پاکستان ایک اسلامی قوت کے طور پر ابھر رہا تھا اسی وقت عالم اسلام کے بیچ میں ایک ناسور پیدا کر دیا گیا جس کا نام اسرائیل ہے۔ پھر طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے مسلمان ملکوں کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ اس کو تسلیم کریں یعنی ایک یہودی ریاست کے طور پر اس کو تسلیم کریں۔ کچھ ریاستیں دباؤ میں آ کر انہیں تسلیم کر چکیں۔ مصر اور اردن نے اس کو بطور ایک ریاست کے تسلیم کر لیا۔

---

(۱) دیر یاسین ایک فلسطینی عرب گاؤں تھا جو یروشلم کے مغرب میں تقریباً ۵ کلومیٹر (۱۔۳ میل) مغرب میں ۶۰۰ کے قریب باشندوں پر مشتمل تھا۔ اس گاؤں نے ۱۹۴۸ء میں عربوں اور یہودیوں کے مابین فلسطین کی جنگ کے دوران غیر جانبداری کا اعلان کیا۔ یہ گاؤں ۹/اپریل ۱۹۴۸ء کو یہودی نیم فوجی انجمنوں، لیہی اور ارگون کے ذریعہ ۱۰۷ کے قریب باشندوں کے قتل عام کے بعد تباہ ہو گیا تھا۔ گاؤں کی عمارتیں آج ایک اسرائیلی عوامی نفسیاتی اسپتال، کیفر شال دماغی صحت مرکز (Kfar Shaul Mental Health Center) کا حصہ ہیں۔

اب صورت حال ایسی بن رہی تھی کہ اس کو تسلیم کروانے کے لئے مسلمانوں کے مرکز یعنی سعودی عرب کے ساتھ تعلقات استوار کرانے کی کوشش کی جارہی تھی۔ اگر ایک مرتبہ بھی سعودی عرب اسرائیل کو تسلیم کر لیتا تو پھر دوسرے مسلمان ملکوں کے لئے مشکل ہو جاتا کہ وہ اس کو تسلیم نہ کریں لہٰذا اس کے ذریعے یہ سازش کی جارہی تھی کہ سارے مسلمان ملک اسرائیل کو ایک مستقل یہودی ریاست کے طور پر تسلیم کر لیں۔

ایسا نہیں ہے کہ حماس نے اچانک حملہ کر دیا ہو، اسرائیل کے قیام سے لے کر آج تک فلسطینیوں کے اوپر ظلم و ستم اور بربریت کے اقدامات کی ایک اذیت ناک تاریخ ہے۔ اس کو ہر باخبر مسلمان جانتا ہے۔ کچھ کچھ عرصے بعد لگاتار فلسطین کے کسی نہ کسی حصے میں فلسطینیوں کو ذبح کیا جاتا رہا ہے۔ حماس نے محسوس کیا ہوگا واللہ اعلم کہ اگر ایک مرتبہ اسرائیل کو سارے عالم اسلام نے تسلیم کر لیا تو پھر یہ ناسور پوری طاقت کے ساتھ وجود میں آئے گا اور اس طرح صرف فلسطین ہی نہیں ان کا گریٹر اسرائیل کا جو منصوبہ ہے وہ بھی وجود میں آجائے گا۔

اس لئے انہوں نے یہ سوچا کہ اس موقعہ پر اگر کوئی کاری ضرب لگا دی جائے تو یہ تعلقات جو مختلف اسلامی ملکوں سے قائم ہو رہے ہیں کم از کم وہ رک جائیں گے اور ایسا ہی ہوا ان کے اس اقدام کی وجہ سے الحمد للہ مسلمان ملکوں میں ایک شعور پیدا ہوا اور وہ معاہدات جو ہونے جا رہے تھے وہ ختم ہو گئے۔ پہلی کامیابی یہ حاصل کی۔

دوسرے فلسطین کے ان مجاہدین نے سوچا کہ آئے دن جو ظلم و ستم ان پر توڑے جا رہے ہیں، وہ دھیرے دھیرے انہیں ختم کرنے کا منصوبہ ہے۔ اور یہ اطلاعات بھی تھیں کہ اب کسی بڑے ظالمانہ اقدام کی تیاری ہو رہی ہے، اس لئے مرنا تو ہے ہی عزت کی موت کیوں نہ مریں۔ ایک مسلمان مجاہد کی موت کیوں نہ مریں۔ چنانچہ انہوں نے یہ اقدام کیا اور یہ اقدام اگرچہ عقل پرستوں کو سمجھ میں نہ آئے لیکن جس کے پیش نظر اللہ کے راستے میں شہادت کی تمنا ہوتی ہے، شہادت جس کی منزل مقصود ہوتی ہے اس کے لحاظ سے یہ بالکل درست اقدام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسرائیل کی جس شوکت اور دبدبے کا رعب چھایا ہوا تھا حماس نے اس رعب پر کاری ضرب لگائی۔ اگر استقامت کے ساتھ یہ جنگ جاری رہی اور جو مسلمان ملک ہیں وہ اپنے فرائض ادا کریں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ ایک فیصلہ کن معرکہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس ناسور سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔

دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی رہتی ہے کہ اگر یہودی ایک ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس زمین میں قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں ان کی تاریخ ہے۔ یعنی فلسطین کی زمین انبیاء کی سرزمین ہے اور بیشتر انبیاء کرام بنی اسرائیل سے آئے اور یہ یہودی بنی اسرائیل کی اولاد ہیں، اگر یہ وہاں پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں کیا رکاوٹ ہے؟ کیوں اس کی مخالفت کی جاتی ہے؟ یہ پروپیگنڈہ اسرائیل کی طرف سے

ساری دنیا میں پھیلایا گیا ہے کہ ہم اس زمین کے وارث ہیں، لہٰذا ہم اس بات کے حق دار ہیں کہ یہاں پر حکومت قائم کریں۔

میں یہ بات واضح کردوں کہ ہزاروں سال کی تاریخ میں فلسطین پر بنی اسرائیل کی حکومت صرف ۹۹ سال قائم رہی۔ اس سے پہلے فلسطین کے جو اصل باشندے ہیں وہ کنعانی ہیں۔ کنعانی وہ قوم ہے جو جزیرہ عرب سے منتقل ہوکر فلسطین میں آکر آباد ہوئی۔ گویا اس کی جو ابتدا ہے وہ ان عربوں سے ہوئی ہے جو وہاں سے منتقل ہوکر فلسطین میں آباد ہوئے تھے اور صدیوں اس میں مقیم رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد حضرت سموئیل علیہ السلام کی قیادت میں فلسطین کو فتح کیا گیا۔ اس وقت سے لے کر ۹۹ سال بنی اسرائیل نے حکومت کی۔ اگرچہ وہ حکومت ٹوٹتی پھوٹتی رہی اور اس کے اندر مختلف دراڑیں پڑتی رہیں۔ خود ان کی بداعمالیاں رنگ لاتی رہیں کہ انہوں نے انبیاء کرام کو قتل کیا۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے کہ اپنے دور حکومت میں انہوں نے انبیاء کرام کو قتل کیا ہے۔ اب بھی ان کی تاریخ اور تورات جو عہد نامہ قدیم بائبل کے اندر موجود ہے اس میں تصریح ہے کہ انہوں نے اس ننانوے سال کی تاریخ میں ہزاروں انبیاء کا قتل کیا ہے۔ فلسطین کے اوپر یہودیوں کی ننانوے سال میں جو آخری حکومت ختم ہوئی اس کو اٹھارہ سو سال گزر گئے ہیں یعنی ایک ہزار آٹھ سو سال۔ ان ایک ہزار آٹھ سو سال کے دوران ایک لمحے کے لئے بھی فلسطین میں یہودیوں کی حکومت موجود نہیں رہی۔ اب اٹھارہ سو سال کے بعد ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ چونکہ میرے آباؤ اجداد وہاں پر مقیم رہے تھے، لہٰذا میں حق دار ہوں کہ اس وقت یہاں جو باشندے ہیں انہیں نکال باہر کروں اور میں حکومت کروں۔

یہ فلسفہ اگر ایک مرتبہ تسلیم کرلیا جائے تو بتاؤ موجودہ دنیا کا کیا حال بنے گا؟ پھر ریڈ انڈینز کہیں گے کہ امریکا کے اوپر ہماری صدیوں حکومت رہی ہے اور اس کو بہت زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تو اب ہمارا حق ہے کہ ہم امریکا کے باشندوں کو امریکا سے نکال کر ریڈ انڈینز کی حکومت قائم کریں۔ کسی ایک ملک کے اوپر موقوف نہیں بلکہ ساری دنیا کے ممالک میں اگر یہ اصول تسلیم کرلیا گیا کہ موجودہ ساری حکومتیں تو ختم ہوجائیں اور اٹھارہ سو سال پہلے کے لوگ آکر آباد ہوں اور آباد ہوکر اپنی زمین سے موجود باشندوں کو نکالیں! یہ آخر دنیا کے اندر کوئی تسلیم کرسکتا ہے؟ لیکن یہ فلسفہ صرف اسرائیل کے حق میں تسلیم کیا گیا جب کہ اسرائیل یعنی بنی اسرائیل اور یہ یہودی دنیا کے مختلف ملکوں انگلینڈ، فرانس، سوئٹزرلینڈ اور روس وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے اور کہتے ہیں کہ یہ سب جمع کرکے اکٹھے لاکر یہاں پر بسائے جائیں گے اور یہاں بسانے کے لئے اگر یہاں کے باشندوں کا قتل عام کرنا پڑا تو قتل عام بھی کیا جائے گا۔

چنانچہ ۱۹۴۸ء کے اندر سب سے زیادہ حصہ برطانیہ اور اس کے ساتھ امریکا کا ہے کہ انہوں نے مل کر اس ناجائز

بچے کی پرورش کرنا شروع کی۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا۔ ادھر اسرائیل میں بنگوریون نے (Gurion-Ben)، جو اس وقت کا وزیراعظم بنا تھا، اِدھر اسرائیل کی ریاست قائم ہونے کا اعلان کیا اس کے دو گھنٹے کے بعد امریکا نے فوراً تسلیم کرلیا کہ ہاں ہم اس ریاست کو مانتے ہیں جبکہ اسرائیلی ریاست کا قیام دیریاسین کے مذبح کے بعد آیا تھا، جس میں بے شمار بے گناہ فلسطینیوں کا قتل عام کیا گیا تھا، ان کو گھروں سے نکالا گیا تھا، اس کے بعد یہ قائم ہوا تھا۔

لہٰذا یہ کہنا کہ ہمارا حق ہے یہ دعویٰ سیاسی طور پر بھی غلط ہے، کیونکہ اٹھارہ سو سال سے ان کی کوئی حکومت وہاں پر نہیں تھی بلکہ اس دوران کچھ عرصے عیسائیوں نے اور کچھ عرصے مسلمانوں نے حکومت کی۔

مسلمانوں کی حکومت کے دوران، ان کو پرامن طریقے سے مختلف جگہوں پر آباد کیا گیا البتہ خلافت عثمانیہ کے زمانے میں سلطان عبدالحمید رحمہ اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ میں ان کو یہ نہیں کرنے دوں گا کہ وہاں جا کر اپنی آبادیاں بنائیں، لہٰذا انہوں نے یہ نہیں کرنے دیا لیکن خلافت عثمانیہ کے جس حصے میں بھی جہاں کہیں یہودی آباد تھے انہیں مذہبی آزادی حاصل تھی کہ اپنے مذہب پر عمل کریں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ ان کے اوپر کوئی ظلم وستم کیا جارہا ہو۔ اٹھارہ سو سال کے بعد یہ یہودی اب کہتے ہیں کہ اب ہمیں اس جگہ اپنی ریاست قائم کرنے کا حق ہے۔ سیاسی اعتبار سے اس بات کا غلط ہونا اس لئے واضح ہے۔

دوسری بات جو کہی جاتی ہے وہ دینی اعتبار سے ہے کہ یہاں پر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے ہیکل تعمیر کیا تھا۔ ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنایا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ تعمیر کی تھی۔ لیکن یہ بہت بڑا مغالطہ ہے کہ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان یا حضرت داؤد علیہ السلام نے تعمیر کی تھی۔

حقیقت میں صورت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو گھر بنائے تھے ایک گھر مکہ مکرمہ میں بیت اللہ اور اس کی تعمیر سب سے پہلے فرشتوں نے کی تھی پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی پھر چونکہ اس کے نشانات مٹ گئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آ کر اس کی نئی تعمیر فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسجد حرام کے بانی نہیں تھے بلکہ وہ مجدد تھے کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے ان آثار کی تجدید و تعمیر کی جو آثار مٹ گئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حکم ہوا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی بیت المقدس کے بانی نہیں ہیں۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کعبے کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے فرمائی تھی اسی طرح بیت المقدس کی تعمیر بھی حضرت آدم علیہ السلام نے کی۔

لیکن اس کے آثار مٹ گئے تھے تو حضرت داؤداور حضرت سلیمان علیہا السلام نے اس کی اسی طرح تجدید فرمائی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی تجدید فرمائی تھی۔ لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ یہ بنی اسرائیل نے تعمیر کی ہو۔ حضرت داؤداور حضرت سلیمان علیہا السلام نے تعمیر کی اور وہ ہمارے بھی پیغمبر ہیں تو اس لئے اس کی بنا پر یہودیوں کو اس پر دعوی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا جب کہ ان کی کتاب جس کو وہ تورات اور عہد نامہ قدیم کہتے ہیں، اس کے اندر یہ مذکور ہے کہ سلیمان علیہ السلام آخر میں مرتد و کافر ہوگئے تھے، بت پرستی اختیار کر لی تھی۔ایک طرف ان کی تورات یہ کہہ رہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مرتد و کافر ہوگئے تھے، بت پرستی کرنا شروع کر دی تھی، قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا O

سلیمان (علیہ السلام) کافر نہیں ہوئے تھے لیکن شیاطین کافر ہوئے تھے۔

ایک طرف تو ان کو کافر، مرتد اور بت پرست کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی یادگار ہے اس واسطے ہم اس کے حق دار ہیں۔ چنانچہ نہ سیاسی اعتبار سے ان کا حق بنتا ہے اور نہ دینی اعتبار سے ان کا کوئی حق بنتا ہے۔لیکن امریکا اور برطانیہ نے عالم اسلام کو منتشر کرنے کے لئے عالم اسلام کے دل میں لاکر ایک ناسور پیدا کرنے کے لئے اسرائیل کو قائم کیا اور اس وقت سے مسلسل بغیر کسی توقف کے وہ وہاں کے باشندوں اور فلسطینیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رہا ہے، اس لئے فلسطین کے ان مجاہدین نے ایک عرصہ دراز تک، ۳۵ پینتیس سال اذیت، بربریّت اور غلامی کی اذیت جھیلنے کے بعد یہ حملہ کیا اور اس حملے کے نتیجے میں جیسا کہ بالکل واضح تھا کہ اسرائیل کی طرف سے بھی اس کا مقابلہ ہوگا اور اس میں بہت سی شہادتیں ہوں گی، وہ ہو رہی ہیں۔

اس وقت وہاں کے مسلمانوں کے لئے یہ بہت بڑا المیہ ہے لیکن اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ پورا عالم اسلام، جس کے استحکام کی خاطر، حماس کے مجاہدین میدان میں اترے ہوئے ہیں پورا عالم اسلام اس بارے میں خاموش ہے۔ بیانات بے شک دے دیئے گئے ہیں۔تقریریں ہم بھی کر رہے ہیں لیکن ایسی کوئی عملی امداد یا اقدام کہ جس سے ان کو فائدہ پہنچے وہ نہیں ہے۔

شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے کسی خطے پر غیر مسلم حملہ آور ہوں تو سارے مسلمانوں پر الأقرب فالأقرب کے تحت جہاد فرض ہو جاتا ہے، یعنی سب سے پہلے اس خطے کے ساتھ رہنے والے جو مسلمان ہیں ان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے اگر وہ کافی نہ ہوں تو ان کے برابر والوں پر، وہ کافی نہ ہوں تو ان کے برابر والوں پر، اس لحاظ سے جو قریب کے ممالک ہیں ان کے اوپر جہاد فرض ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ جہاد بقدر استطاعت فرض ہوتا

ہے۔جس میں جتنی استطاعت ہو وہ اسی استطاعت کے مطابق جہاد میں شریک ہو، لہٰذا ان کی جانی، مالی اور دفاعی امداد تمام مسلمان ملکوں پر فرض ہے لیکن اس کے لئے ایسی حکمت عملی ضروری ہے جس سے ان کو فائدہ پہنچے نقصان نہ پہنچے۔اس حکمت عملی کے لئے عالم اسلام کو چاہئے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور ایسی حکمتِ عملی تیار کرے۔

الحمدللہ خود ہماری حکومت پاکستان ایسی فوجی طاقت رکھتی ہے جو بہت کم ملکوں کو میسر ہے۔اس کا فرض ہے کہ ان کی امداد کرے لیکن امداد ایسی حکمت کے ساتھ کرے کہ جس سے ان کو فائدہ پہنچے، نقصان نہ پہنچے، اس کے لئے حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔ میں اس وقت اتنا ہی اشارہ کر سکتا ہوں کہ حکمت عملی کی ضرورت ہے اور اس حکمتِ عملی کے ساتھ ان کی امداد بشمول پاکستان ہر مسلمان ملک پر فرض ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے۔

میں اپنی فوج کے بارے میں اتنی بات جانتا ہوں کہ بحمداللہ، اللہ کے فضل و کرم سے وہ مسلمان ہیں اور ان کے اندر ایمانی جذبات بھی ہیں، لہٰذا یہ بات مجھے مستبعد لگتی ہے کہ وہ اس معاملے میں بالکل خاموش بیٹھے ہوئے ہوں اور انہوں نے اس سلسلے میں کوئی حکمت عملی تیار نہ کی ہو اور مجھے امید ہے ان شاء اللہ وہ حکمت عملی تیار کی ہوگی، خدا کرے ایسا ہی ہو، ورنہ اگر ایک مرتبہ اسرائیل اس وقت کامیاب ہو گیا تو وہ صرف فلسطین تک محدود نہیں رہے گا بلکہ وہ پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور یہ ایسا سانپ ہے کہ اس کا سر اگر اس وقت نہ کچلا گیا تو پھر وہ دوسرے ملکوں کو ڈسنے کے لئے آگے بڑھے گا۔ لہٰذا سارے مسلمان ملکوں کو ایسی حکمت عملی تیار کرنے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے اس فتنے کا خاتمہ ہو سکے پھر جو عام مسلمان ہیں ان میں خود وہاں جا کر تو لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔اگر چلے بھی جائیں تو فائدہ کوئی نہیں لیکن جو امداد پہنچا سکتا ہے وہ امداد اس کو پہنچائے۔

ایک چھوٹی سی کوشش ہم نے بھی شروع کی ہے، کچھ مالی امداد ان لوگوں کو پہنچانے کی جو غزہ میں مصیبتوں کا شکار ہیں الحمدللہ وہ پہنچ بھی رہی ہے۔اس میں بھی مسلمان اگر حصہ لینا چاہیں تو لیں اور ساتھ میں دعاؤں کا اہتمام کریں۔ یہ سوچو کہ اگر ہمارے اوپر بمباری ہو رہی ہو، ہمارے بچے اور بوڑھے شہید ہو رہے ہوں، ہماری عورتیں شہید ہو رہی ہوں تو کیا ہم چین سے بیٹھ جائیں گے؟ اس لئے جو کام بس میں ہے یعنی امداد وہ کر لی جائے اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا جائے، الحاح وزاری سے دعا کی جائے۔ بندے کا کام یہی ہے کہ اپنی امکانی کوشش بھی کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے رجوع بھی کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس آیت کا مظاہرہ اس موقعہ پر دکھادے کہ:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ

نجانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔☆☆

غزہ پر اسرائیلی جارحیت اور ہماری ذمہ داری

خطاب: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

ضبط وترتیب: مولانا محمد عمر فاروق سیال

ناظم کتب خانہ جامعہ خیر المدارس، ملتان

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد!

اعوذباللّٰہ من الشیطن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:

وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآئَھُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ (البقرۃ)

وقال اللّٰہ تعالی: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَ النَّصٰارٰی اَوْلِیَآءَ، بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ، وَ مَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ (المائدہ)

وقال اللّٰہ تعالی: لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ(8)اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ اَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَ ظٰھَرُوْا عَلٰی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَ مَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝(الممتحنہ)صدق اللّٰہ العظیم۔

بزرگانِ محترم، معزز حاضرین، برادران اسلام اور طلباء عزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسل کو جب معراج ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ پہلے مسجد اقصی لے گئے، بیت المقدس میں لے گئے اور بیت المقدس، مسجد اقصیٰ میں اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو جمع فرمایا، ملائکہ اور فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت تھی اور وہاں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ تمام انبیاء اور پیغمبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی بنے؛ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء بنے۔

سفر معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا پڑاؤ مسجد اقصیٰ میں ہوا:

یہ اللہ کی طرف سے اعلان تھا کہ اب مسجد اقصی اور بیت المقدس جناب نبی کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہو

گئی ہے، مسلمانوں کے سپرد ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف بیت اللہ ہی کے امام نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کے بھی امام ہیں۔ آپ امام القبلتین بھی ہیں اور آپ نبی القبلتین بھی ہیں؛ دونوں قبلوں کے نبی!۔ پھر وہاں سے آپ کا آسمانوں کی طرف سفر ہوا۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر آیا اور اس مسجد اقصی کے اردگرد کو بابرکت کہا گیا ہے۔ یہ اُس زمانے میں ملک شام کا علاقہ کہلاتا تھا اور اس کا تمام ماحول قرب و جوار اور اردگرد کا علاقہ یہ سرزمین انبیاء ہے۔ اَللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت بڑی تعداد انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی اس علاقے میں بھیجی۔ تو جب مسجد اقصیٰ دائیں اور بائیں اور اردگرد کا علاقہ بابرکت ہے تو مسجد اقصی خود کتنی بابرکت ہوگی؟! بیت المقدس کتنا بابرکت ہوگا؟! جس کے دائیں اور بائیں کے ماحول کو قرآن مجید نے کہا کہ ہم نے اس کو برکت والا بنایا...... اَلَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ تو خود مسجد اقصیٰ کتنی برکت والی ہوگی؟!۔

بیت المقدس کی فتح کی پیشین گوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی:

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں اس کی فضیلت بیان کی ہے اور اس مسجد کو چار چاند لگ گئے جب اس مسجد پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم اس سرزمین پر لگے اور اس مسجد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ ایک زمانہ اور ایک دور آئے گا کہ جب مسلمان اس مسجد اقصیٰ کو فتح کریں گے۔ اُس وقت یہ غیر مسلموں کے قبضے میں تھی اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے موقع پر وہاں تشریف لے گئے مگر یہ غیر مسلموں کے قبضے میں رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فتح ہونے کی پیشین گوئی فرمائی اور یہ پیشین گوئی فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ خلافت میں پوری ہوئی۔

فاتح اقصیٰ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا دور خلافت تھا ملک شام پر عیسائیوں کا قبضہ تھا اور بیت المقدس بھی انہی کے کنٹرول میں تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ یہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی زندگی میں جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی۔ عظیم الشان صحابہ جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے اُن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت اور خوشخبری دی اُن میں سے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؛ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کو فتح کرنے کا ٹاسک دیا، ہدف دیا کہ انہوں نے شام کو فتح کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا لہرانا ہے، یہاں اسلام کا جھنڈا لہرانا ہے حضرت ابوعبیدہ بن

جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کے تمام علاقوں کو فتح کرلیا۔ جب یہ بیت المقدس کے قریب پہنچے تو وہاں کے قابض عیسائیوں کو پیغام بھیجا کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ یا ذمی بن جاؤ اور بیت المقدس ہمارے حوالے کردو۔ عیسائی جو اس زمانے میں بیت المقدس پہ قابض تھے انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ اپنے امیر المومنین کو یہاں بلالیں چونکہ ہماری کتاب انجیل میں اُس شخص کا حلیہ اور نقشہ لکھا ہے جو بیت المقدس کو فتح کرے گا، اگر تمہارا امیر المومنین بھی وہی ہوا جو ہماری کتابوں میں لکھا ہے تو ہم بغیر لڑے بیت المقدس تمہارے حوالے کردیں گے لڑائی اور جنگ کے ذریعے یہ تم نہیں لے سکو گے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے وہاں سے مدینہ منورہ خط لکھا اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ آپ یہاں آجائیں، آپ تشریف لے آئے تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو دیکھ کر بیت المقدس کی چابیاں عیسائی ہمارے حوالے کردیں اور ہمیں لڑائی کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا۔ مشورے میں یہ طے پایا کہ آپ کو جانا چاہیے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے مگر اس شان کے ساتھ، اس انداز میں جو ہم سب کے لیے ایک سبق اور پیغام ہے؛ خاص طور پر مسلمان حکمرانوں کے لیے...... فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار ہوئے۔

اُس زمانے کا ہوائی جہاز گھوڑا شمار ہوتا تھا سب سے اعلیٰ ترین سواری گھوڑا تھی وہ اس زمانے کا ہوائی جہاز سمجھ لو۔ لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے کی بجائے اونٹ پر سوار ہوئے۔ اونٹ بھی سواری کے لیے استعمال ہوتا تھا مگر اونٹ اس زمانے کا سائیکل سمجھ لو؛ تو وہ اونٹ پر سوار ہوئے سفر پر چلتے گئے، ساتھ خادم بھی ہے، باری باری سوار ہو رہے ہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سواری ایک ہے دو نہیں تو کبھی میں پیدل چلوں گا تم اونٹ پر سوار ہونا کبھی میں اونٹ پر سوار ہو جاؤں گا تم پیدل چلنا، اس طرح وہ بیت المقدس کے قریب علاقے میں پہنچ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تاریخی جملہ:

آپ ابھی بیت المقدس سے ذرا دُور تھے تو بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ امیر المومنین آپ کے جسم پر جو لباس ہے اس میں تو 13 یا 14 چمڑے کے پیوند لگے ہوئے ہیں، جہاں پھٹ گیا آپ نے چمڑے کا پیوند لگا لیا تو آپ لباس تبدیل کرلیں، اس لباس کو دیکھ کر دشمنوں پر کوئی رعب قائم نہیں ہوگا بلکہ غائبانہ طور پر جو آپ کا رعب اور دبدبہ اُن پر طاری ہے وہ بھی کہیں ختم نہ ہو جائے تو اس لیے آپ ذرا نیا لباس یا کم از کم ایسا لباس پہن لیں جس پر چمڑے وغیرہ کے پیوند نہ ہوں، جوڑ نہ لگے ہوئے ہوں۔ اونٹ کی بجائے گھوڑے پر سوار ہو جائیں آپ اونٹ پر بیٹھیں گے تو یہ آپ کی شان کے خلاف ہے آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا جواب

دیا؟ یہ جواب سونے کے پانی کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے، میرے اور آپ کے لیے اس میں بہت بڑا پیغامِ عمل اور سبق ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے منہ سے نکلنے والے جملوں اور الفاظ میں کم از کم میرے مطالعے کی حد تک یہ سب سے عظیم جملہ ہے۔

ہماری عزت کا معیار اسلام ہے:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے کئی مرتبہ ایسے الفاظ اور جملے ارشاد فرماتے تھے کہ اُن کی جو رائے ہوتی فرش پر؛ اللہ قرآن بنا کر زمین پر نازل کر دیا کرتے تھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے اس مشورے پر فرمایا: **نحن قومٌ أعزَّنَا اللّٰه بالإسلام، فمهمَا ابتغَيتُم العِزَّةَ بغيرِه أذلَّكُم اللّٰه**

''ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ تعالی نے اسلام کے ذریعے عزت عطا فرمائی ہے، اسے چھوڑ کر ہم جس چیز میں بھی عزت تلاش کریں گے اللہ ہمیں رسوا ہی کرے گا۔''...... یعنی ہم وہ قوم ہیں کہ جن کو اللہ نے کپڑوں اور لباس کے ذریعے عزت عطا نہیں کی، جن کو اللہ نے سواریوں کی بنیاد پر عزت عطا نہیں کی کہ ہم اگر گھوڑوں پر بیٹھیں گے تو ہماری عزت ہے پیدل چلیں گے یا اونٹ پر سوار ہوں گے تو ہماری عزت نہیں ہے۔

ہماری عزت نہ سواریوں سے ہے نہ ہماری عزت لباسوں کے ذریعہ ہے ہمیں تو اللہ نے عزت دی ہے، اسلام کے ذریعے ہماری عزت کا مدار تو اسلام ہے نحن قوم اعزنا اللہ بالاسلام ہماری عزت اسلام کی وجہ سے ہے۔ ہمارا اسلام پر عمل ہوگا تو ہماری عزت ہوگی اور اگر ہمارا اسلام پر عمل نہیں ہوگا تو ہماری عزت نہیں ہوگی اور یہ واقعہ کے مطابق بات فرمائی چنانچہ آج دیکھ لیں مسلمانوں کی کتنے زیادہ تعداد ہے آج دنیا میں 60 کے قریب مسلمان ملک ہیں اور آج مسلمانوں کے پاس افرادی طاقت اور قوت بھی بہت زیادہ ہے۔ دنیا میں تقریباً ڈیڑھ ارب مسلمان ہیں دنیا کی کل آبادی ایک تہائی غالباً مسلمان ہے معمولی طاقت مسلمانوں کی گنتی اور افراد کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ریاستیں بھی دی ہیں حکومتیں بھی دی ہیں، 60 کے قریب ملک ہیں مسلمانوں کے اور اب افرادی قوت ڈیڑھ ارب سے زیادہ ہے اور کتنے ایسے مسلمان ملک ہیں جن کے پاس پٹرول کی طاقت ہے جن کو اللہ نے تیل دیا ہے، جس تیل پر دنیا کے بہت سے نظام کا دار مدار ہے، عرب ملکوں کے پاس کتنے بڑے تیل کے ذخائر ہیں، اللہ نے یہ دنیا کا مادی خزانہ اور دولت بھی ان کو عطا کی ہے۔

یہ ربڑ جس پر دنیا کا پہیہ چلتا ہے یہ سب سے زیادہ ملائشیا میں پیدا ہوتا ہے جو مسلمان ملک ہے سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز تک ...... جتنے بھی پہیے ربڑ سے بنے ہوئے ہوتے ہیں یہ پوری دنیا کا نظام جام ہو جائیگا اگر ملائیشیا دنیا کو ربڑ دینا بند کر دے، اللہ نے یہ اس کو عطا کیا ہے۔

دنیا کی دو بڑی سمندری گزرگاہ ہیں جہاں سے بحری جہاز مال برادر جہاز گزرتے ہیں مشرق کا سامانِ تجارت مغرب کی طرف اور مغرب کا مشرق کی طرف دنیا کے ایک کونے کی تجارت اور کاروبار والا سامان دوسرے کونے میں اور اس کونے کی اس کونے کی طرف جو آمد ورفت ہے ان دو گزرگاہوں سے ضرور گزرتی ہیں، دونوں گزرگاہیں مسلمانوں کے پاس ہیں ایک ترکی میں ہے اور ایک مصر میں ہے، ترکی میں جو ہے اسے درہ دانیال کہا جاتا ہے اور مصر میں جو ہے اسے نہر سویز کہتے ہیں، دنیا کے تمام مال بردار بحری جہاز بحری اسی سے گزرتے ہیں۔ اور کتنے وسائل اللہ نے مسلمانوں کو دیے ہیں، لیکن آج یہ کھلی حقیقت اپنی آنکھوں سے آپ بھی دیکھ رہے ہیں اور میں بھی دیکھ رہا ہوں، آج پوری دنیا میں مسلمانوں کی بحیثیت مجموعی کوئی عزت نہیں، وہ غیروں کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ آج کے حکمران امریکہ کے نوکر بنے ہوئے ہیں، وہ عالمی استعماری طاقتوں کے آگے سجدہ ریز ہیں، ہر وقت ڈرتے اور گھبراتے رہتے ہیں کہ کہیں ہمارا اقتدار نہ چھین جائے، کہیں ہمارے اوپر یہ پابندیاں نہ لگ جائیں۔

دشمن کو ڈرانے والے آج دشمن سے کیوں ڈر رہے ہیں؟

یہ دنیا میں آج رعب زدہ کیوں ہیں؟ کیوں دنیا کا خوف پیدا ہو گیا ہے؟ دشمن کو ڈرانے والے آج دشمن سے ڈر رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟......اس لیے کہ دین پر ہمارا عمل نہیں ہے، اسلام پر ہمارا عمل کمزور ہو گیا ہے۔ اُس زمانے کے 313 سے بڑی بڑی طاقتوں کے ایوان لرزا اور کانپا کرتے تھے، آج اتنی بڑی تعداد میں مسلمان عوام اور حکومتوں سے دنیا کے دشمن اور کافر ڈرتے نہیں ہیں بلکہ مسلمان ان سے ڈرتا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے ہمارا اسلام پر عمل کمزور ہے، آج ہماری عزت اس لیے نہیں ہے کہ ہم نے غیروں کی نقالی کرنا شروع کر دی۔ اپنے عقیدے اور دین کو قربان کر دیا، اپنے کلچر کو، اپنی تہذیب کو، اپنے تمدن کو اپنے طرز زندگی کو ہم نے خیر باد کہہ دیا؛ اس لیے آج ہماری بھوسے والی حیثیت بھی نہیں ہے۔ گندم کا دانہ تو بعد کی بات ہے؛ بھوسے جیسی بھی حیثیت نہیں رہی۔

حضرت عمر کی سادگی اور ان کا رُعب:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہم وہ قوم ہیں جن کو اللہ نے اسلام کے ذریعے سے عزت عطا کی اور فرمایا کہ میں اسی اونٹ پر جاؤں گا اسی لباس میں جاؤں گا، کپڑے دیکھ کر کوئی متاثر ہو تو کیا متاثر ہونا سواری دیکھ کر کوئی متاثر ہو تو وہ کیا متاثر ہونا وہ متاثر ہونا وقتی اور عارضی ہوگا۔ اگر کوئی میرے عقیدے کو میرے ایمان کو میرا تقویٰ کو میرے اسلام پر عمل کرنے کو دیکھ کر متاثر ہوگا تو یہ تاثر دائمی ہوگا، یہ تاثر اس کے دل اور دماغ میں اثر کرے گا، اس لیے فرمایا کہ میں اسی پر سوار ہو کر جاؤں گا۔

بہت بڑی تعداد میں غیر مسلم بھی مسجد اقصیٰ سے اور شہر کچھ دُور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے، مسلمان تو جمع تھے ہی، بہت بڑی تعداد غیر مسلموں کی بھی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفقاء انتظار میں تھے جیسے ہی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کی سواری سامنے سے نمودار ہوئی تو ایک غیر مسلم اور کافر نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے مسلمان سے پوچھا کہ تمہارے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ وہی ہیں جو اونٹ پر سوار ہیں؟ یہ سوال کیا۔ اس مسلمان نے جواب دیا ہمارے امیر المومنین وہ نہیں ہیں جو اونٹ پر سوار ہیں، اونٹ پر تو ان کا غلام بیٹھا ہوا ہے، ہمارے امیر المومنین تو وہ ہیں جو اونٹ کی رسی پکڑ کر آگے پیدل چلے آرہے ہیں۔ غلام اوپر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت عمر بن خطاب رسی پکڑ کر آگے چل رہے ہیں۔ یہ ہے اسلام! غلام کو جس نے اتنی عزت عطا کی وہ عام انسان کو کتنی عزت عطا کرتا ہے؟!۔

جب بیت المقدس کی چابیاں حضرت عمر کے سپرد کی گئیں:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو اس وقت ان کا عیسائی رہنما، عیسائیوں کا مذہبی پیشوا اور پادری تھا؛ وہ انجیل لے کر آگیا، کھول کر پڑھنے لگا، وہ کبھی انجیل کو اور کبھی عمر بن خطاب کے چہرے کو پڑھتا کبھی اِدھر دیکھتا کبھی اُدھر دیکھتا کچھ دیر کے بعد کتاب کو بند کر کے بیت المقدس کی چابیاں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے کر دیں۔ کہا ہماری کتاب میں پہلے سے ہی بیت المقدس کو فتح کرنے والے کا جو حلیہ اور نین نقش لکھا ہے وہ آپ ہی کا نقش اور حلیہ لگتا ہے، اس لیے یہ چابیاں آپ کے حوالے، آج کے بعد بیت المقدس آپ کے حوالے۔

قران کریم میں اللہ فرمارہے ہیں: ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کا تذکرہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا تذکرہ صرف قران کریم میں نہیں کیا بلکہ اس سے پہلے آنے والی کتابوں میں بھی کیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو چابیاں مل گئیں اور بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے ہو گیا۔ اُس وقت سے مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ درمیان میں کچھ عرصہ ایسا آیا کہ پھر اس پر عیسائیوں نے قبضے کیے مگر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نور الدین زنگیؒ اور اپنے دور کے مجاہد مسلمانوں نے دوبارہ اِس مسجد اقصیٰ، بیت المقدس کو لے لیا۔

فلسطین پر یہود کا ناجائز قبضہ:

پاکستان بنا ہے 1947ء میں، ایک سال کے بعد سازش کر کے اور منصوبہ بنا کر عالمی طاغوتی طاقتوں نے 1948ء میں فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ کروایا، اور اسرائیل کے نام سے ایک ناجائز ملک تشکیل دیا۔ مسلمانوں اور

عربوں کی زمین پر قبضہ کر کے ناجائز ملک بنوایا۔ قائداعظم مرحوم نے پاکستان بنانے والی شخصیت نے کہا تھا کہ یہ ناجائز بچہ ہے، یہ حرامی بچہ ہے یہ مسلمانوں کی زمین پر، عربوں کی زمین پر ناجائز قبضہ کر کے۔ یہ اردن کا علاقہ تھا اردن کے علاقے پر قبضہ کیا گیا اور مصر کے کچھ علاقے پر قبضہ کیا گیا اور اس جگہ پر اسرائیل بنا دیا گیا۔

فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیلی مظالم:

1948ء سے لے کر آج 2023ء تک 75 سال ہو گئے ہیں اِن 75 سال میں اِن علاقوں کا مسلمان بیت المقدس کی آزادی کے لیے جہاد کر رہا ہے، جانوں کا نذرانہ اور قربانی دے رہا ہے کیوں؟ اِس لیے کہ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کی ہے، بیت المقدس اہل ایمان اور اہل اسلام کا ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں معراج پر جاتے ہوئے امامت کرائی اور یہ گویا کہ اعلان تھا کہ اب مسجد اقصیٰ کسی اور کے کنٹرول میں نہیں مسلمانوں کے کنٹرول میں ہوگی۔ یہ ہمارے پیغمبر کی وراثت کی حفاظت ہے، اب اس مصلے پر جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہی اس مصلے پر کھڑا ہو سکتا ہے اور کوئی نہیں۔

75 سال ہو گئے ایک ڈھونگ رچایا گیا وہاں فلسطینی ریاست بنائی گئی جس کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے اور وہ ایسی فلسطینی حکومت ہے جس کے پاس کوئی خطہ نہیں ہے کوئی علاقہ نہیں ہے وہ ایک طرح کی جیل ہے، وہ ہے تو مسلمانوں کا علاقہ لیکن اُس پر بھی مسلمانوں کا نہیں یہودیوں کا کنٹرول ہے۔ اردگرد تمام یہودی ہیں، اسرائیلیوں کا قبضہ ہے وہ جب چاہتے ہیں بجلی بند کر دیتے ہیں، جب چاہتے ہیں پانی بند کر دیتے ہیں جب چاہتے ہیں کھانے پینے کا سامان بند کر دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اُن کی زندگی تنگ کر دیتے ہیں، اُن پر ظلم کرنا شروع کر دیتے ہیں، اب تک کتنی بستیاں ان کی تباہ کر دیں، ان کا منصوبہ یہ ہے کہ وہاں سے مسلمان نکل جائیں، وہاں سے مسلمانوں کی نسل ختم ہو جائے، نہ غزہ میں نہ القدس میں...... کہیں بھی مسلمان نہ ہوں اور اس پر اسرائیل کا پورا کنٹرول رہے، اس وقت امریکہ اور تمام یورپ اسرائیل کے ساتھ کھڑا ہے۔

آپ نے دیکھا چند دنوں سے کتنا اُس پر ظلم ہو رہا ہے؟ حماس جو وہاں کی مجاہدین کی ایک جماعت ہے، جس کے بانی شیخ یاسین تھے، جو اسی بیت المقدس کی آزادی کے لیے جام شہادت نوش کر گئے۔ کتنے شہداء ہیں فلسطین کے جنہوں نے اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ بیت المقدس کی آزادی کے لیے جام شہادت نوش کیا۔ حال ہی میں اُنہوں نے اپنے علاقوں کو واپس لینے کے لیے مزاحمت شروع کی ہے، یہ ان کی آزادی کی جدوجہد ہے، مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی آزادی کے لیے جدوجہد ہے، یہ جو اسرائیل ملک ہے جو ناجائز بنایا گیا ہے یہ اسرائیل کو ختم کرنے اور اپنا ملک واپس لینے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ آپ کے گھر پر کوئی قبضہ کر لے تو کیا آپ آرام

سے بیٹھے رہیں گے؟۔

آج عالمی طاقتیں اسرائیل کے ساتھ کھڑی ہیں:

اُنہوں نے دنیا کی عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کئی عدالتوں نے کہا کہ اسرائیل ظلم کر رہا ہے، غلط کر رہا ہے، اس کے باوجود عالمی طاقتیں اس کے ساتھ کھڑی ہیں۔آج آپ نے دیکھا ہے کہ پوری دنیائے کفر اُن کا ساتھ دے رہی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَہ ،تمام دنیا کے کافر ایک ہیں آج اسرائیل اتنا ظلم کر رہا ہے اتنی بمباری کر رہا ہے، اور وہاں پر خون کے دریا بہا رہا ہے کہ ہسپتالوں پر بھی بمباری کر رہا ہے؛ حالانکہ بین الاقوامی قوانین ہیں اقوام متحدہ جو عالمی طاغوتی طاقتوں کی لونڈی ہے، اس کے اپنے چارٹر میں یہ بات لکھی ہے کہ لڑائی بھی ہو رہی ہو تو دشمن کے کسی ہسپتال پہ بمباری نہیں کی جائے گی جہاں مریضوں کا جہاں بیماروں کا علاج ہو رہا ہے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ اسرائیل نے وحشیانہ بمباری ہسپتال پر کی ہے،فلسطینیوں پر اور غزہ میں کی ہے جس میں 800 سے ایک ہزار تک مسلمان شہید ہوگئے۔وہ بیچارے جو زخمی تھے جن زخمیوں کا علاج ہو رہا تھا جو بیمار تھے، ان میں سے جو چھوٹے چھوٹے معصوم بچے تھے جنہوں نے ہسپتال میں پناہ لی ہوئی تھی عورتیں اور بوڑھے تھے۔حالانکہ جنگ میں بوڑھوں کو عورتوں کو بچوں کو نہیں مارا جاتا ہسپتالوں کو نشانہ نہیں بنایا جاتا اور جنگ سے لاتعلق لوگوں کو کچھ نہیں کہا جاتا مگر وہاں پر جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عالمی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ دندناتا ہوا بچوں پر بم مار رہا ہے۔

آج اسرائیلی جارحیت پر مسلم حکومتیں خاموش ہیں:

اگر درختوں کی زبان ہوتی تو آپ کو دنیا کے درخت بھی اس ظلم پر روتے ہوئے نظر آتے، اگر دریاؤں کی زبان ہوتی تو یہ دریا بھی خون کے آنسو لے کر چل رہے ہوتے۔لیکن آج وہاں پر یہ ظلم ہو رہا ہے اور دنیا چپ اور خاموش ہے۔کافروں نے تو ہمارے حق میں آواز اٹھانا نہیں ہے۔دُکھ کی بات یہ ہے کہ آج مسلمان ملک کی حکومتیں بھی خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے، زبانی جمع خرچ صرف زبان سے اُس کی مذمت کر رہے ہیں کوئی عملی اقدام نہیں کر رہے کہ وہ اسرائیل کے بائیکاٹ کا اعلان کریں جن عرب ملکوں نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہوا ہے وہ ان کو نہ ماننے کا اعلان کریں۔اس کے سفیروں کو واپس بھیجیں اور ان کی تجارت اور کاروبار کو بند کریں اپنی سرحدوں کو بند کر دیں۔یہ اسرائیل جو ناجائز بچہ ہے بقول قائداعظم مرحوم کے جو مسلمانوں کی زمین پر قبضہ کر کے بنایا گیا ہے اس کے اردگرد کے تمام مسلمان ملک ہیں یہ درمیان میں ہے اس کے اردگرد اردن جورڈن ہے اس کا بارڈر لگتا ہے مصر کا اور اس کے

اردگرد لبنان ہے یہ مسلمان ملک ہیں اگر یہی مسلمان ممالک اپنے عوام کے لیے بارڈر کھول دیں اور مسلمانوں کو اجازت دے دیں جہاد کی تو مسلمان اِن کو ناکوں چنے چبوا دیں۔

تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؛لیکن آج یہ رشتہ کمزور ہوگیا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:اَلْمُسْلِمُوْنَ کَجَسَدٍ وَاحِدٍ مسلمان ایک جسم کی طرح ہے، جب اس کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم درد محسوس کرتا ہے، پورا جسم بے قرار و بے چین ہو جاتا ہے، اگر آنکھ میں درد ہے؛ سر میں درد ہے تو پورا جسم بے چین بے قرار ہو جاتا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان کلمہ کے رشتے کی بنیاد پر لا اِلٰـہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی بنیاد پر گورے اور کالے، عجم اور عرب کا کوئی فرق نہیں، پوری دنیا کے مسلمان اُمتِ واحدہ ہیں؛ ایک امت ہیں۔قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا:اِنَّـمَا الْمُومِنُوْنَ اِخْوَۃٌ تمام ایمان والے آپس میں بھائی ہیں مگر آج ہمارا یہ رشتہ کہاں گیا؟ ہمارا یہ رشتہ کمزور ہوگیا؛ حالانکہ ہمارے اس رشتے کا تقاضا یہ تھا کہ پوری دنیا کے مسلمان اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے ان فلسطینی بھائیوں کے ساتھ جن کی عورتوں کو جن کے بچوں کو مارا جا رہا ہے، ماں کے سامنے بیٹی کو اور بیٹی کے سامنے ماں کو ذبح کیا جا رہا ہے، ماں کے سامنے بچوں کو شہید کیا جا رہا ہے۔معصوم چھوٹے چھوٹے بچے ان ماں پر کیا گزرتی ہوگی جس کے بچے کو اُس کے سامنے قتل کیا جا رہا ہے اور شہید کیا جا رہا ہے آج انسانیت کہاں گئی؟۔

کتے کی موت پر شور اور واویلا کرنے والے آج بے گناہ معصوم بچوں کے قتل پر اُس ظالم کا ساتھ دے رہے ہیں۔ حالانکہ سکولوں پر بمباری بین الاقوامی قوانین کے خلاف ہے شہری آبادی پر بمباری ہو رہی ہے گھروں پر ہو رہی ہے کتنا بڑا ظلم ہو رہا ہے۔آپ نے دیکھا 60 کے قریب مسلمان ممالک کے حکمرانہیں......اُن کے منہ کو تالے لگے ہوئے ہیں۔عوام نکلے ہیں سڑکوں پر لیکن وہ بیچارے کیا کر سکتے ہیں؟ لیکن ایک بھی مسلمان حکمران کو یہ حوصلہ اور جرات نہیں ہوئی کہ وہ اعلان کرے کہ ہم فلسطین کے مجاہدین کو اسلحہ دیں گے، ہم ان کی امداد کریں گے، ہم ان کا ساتھ دیں گے،ہم آج سے اُن کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ ہمارے کبھی بھی دوست نہیں ہو سکتے:

قرآن کریم کی جو آیت میں نے پڑھی اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود و نصاریٰ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے کبھی بھی تمہارا دوست نہیں ہو سکتے اور تمہیں بھی اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ تم اپنی کوئی دوستی کا رشتہ اور دل سے محبت کا رشتہ کافروں کے ساتھ قائم رکھو۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا عجیب واقعہ:

سورہ ممتحنہ کی جو آیت مبارکہ میں نے پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا کہ جو کافر آپ کے ساتھ جنگ نہیں کر رہے آپ اس کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئیں آپ اچھے سلوک کے ساتھ پیش آئیں۔ اسلام ہمیں غیر مسلموں کے ساتھ بھی، کافروں کے ساتھ بھی بشرط کہ وہ کافر جو ہمارے ساتھ لڑائی نہ کر رہا ہو ہم پر حملہ آور نہ ہوا ہو، ہم پر جنگ مسلط کرنے والوں کا ساتھ نہ دے رہا ہو۔ ہمیں شریعت کا حکم ہے ہم ان کے ساتھ بھی ہمدردی کا مظاہرہ کریں، حسن اخلاق کا، حسن سلوک کا مظاہرہ کریں۔ لیکن جو ہمارے ساتھ لڑ رہا ہو جو مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال رہا ہو ان کو وطن سے بے وطن کر رہا ہو، گھر سے بے گھر کر رہا ہو اور ان پر بمباری کر رہا ہو، ایسے انسان کے ساتھ دلی محبت کرنے سے ہمیں قرآن نے منع کیا ہے۔ قران کریم میں فرمایا گیا:

لَا يَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَ لَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو پہلی بیوی تھی ان کا نام قتیلہ تھا، یہ اسلام کے دور سے پہلے ان کی بیوی تھی اور اسلام کے دور سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ہی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو طلاق دے دی تھی، اس کے پیٹ اور بطن سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹی پیدا ہوئی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسری بیوی سے پیدا ہوئیں، حضرت اسماء اور حضرت عائشہ بہنیں ہیں مگر دونوں کی ماں ایک نہیں ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ قتیلہ ان کا نام تھا وہ مسلمان نہیں ہوئی تھی کلمہ نہیں پڑھا تھا۔ مکہ مکرمہ سے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے ابا جان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر آئیں۔ جب یہ آ گئیں تو ان کی کافر والدہ مکہ سے مدینہ منورہ آئیں اپنی بیٹی کو ملنے کے لیے، اللہ اکبر کیا ایمان تھا حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی کافر والدہ سے ملنے سے انکار کر دیا۔ کہا میں آپ سے نہیں ملوں گی، کیونکہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ نہیں پڑھا، ماں اور بیٹی کا رشتہ اپنی جگہ ہے مگر اب رشتہ ایمان کا ہے کلمے کا رشتہ ہے اس لیے میں تمہیں اپنے گھر نہیں ٹھہراؤں گی، کوئی مہمان نوازی نہیں کروں گی کوئی حسن سلوک نہیں کروں گی؛ جب تک کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لوں۔

اللہ اکبر!......کوئی کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر نہیں کرنا، یہ ہیں مسلمان، کہ جو بھی کام کرنا ہے قرآن و سنت سے معلوم کر کے کرنا ہے، علماء سے پوچھیں کہ شریعت کیا کہتی ہے؟۔تو حضرت اسماء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ آئی ہیں جو کہ مسلمان نہیں ہیں، میں نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا ہے، میں نے کہا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ لوں میں آپ سے نہیں ملوں گی اور آپ کی کوئی مہمان نوازی نہیں کروں گی معذرت! اب آپ کا کیا حکم ہے؟۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت سورہ ممتحنہ میں اتاردی:

لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡھُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡھِمۡ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ

اللہ تعالیٰ ان کافروں کے ساتھ جنہوں نے تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کی جنہوں نے تمہیں گھر سے بے گھر نہیں کیا جنہوں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی اللہ تمہیں منع نہیں کرتا کہ تم ان سے اچھے سلوک کے ساتھ پیش آؤ، اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ...... ماں ہے اگرچہ کافرہ ہے دین کے معاملے میں اس کی تابعداری فرمانبرداری نہیں ہے لیکن دنیا کے اعتبار سے اس کی مہمان نوازی بھی کرو، ملاقات بھی کرو، ان کو بطور مہمان گھر میں بھی ٹھہراؤ اچھے اخلاق کے ساتھ بھی پیش آؤ۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تو حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی والدہ کو اپنے گھر میں بلایا۔

ایک طرف یہ ہے اور دوسری طرف آپ دن رات دیکھتے ہیں کہ ہمارے مسلمانوں کے بچوں کو فلسطین میں شہید کیا جارہا ہے اور ان پر ظلم کیا جارہا ہے۔

یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں:

بڑی خوشی سے ہم ان یہودیوں کی بنی ہوئی مصنوعات کو استعمال کر رہے ہیں، ہم ایمانی غیرت کا اتنا بھی مظاہرہ نہیں کر رہے کہ ہمارے شہروں اور ملکوں میں یہودیوں کی جو بنائی ہوئی چیزیں ہیں ان کو استعمال نہ کریں۔کم از کم اتنی ایمانی غیرت کا مظاہرہ تو کریں کہ ہم مسلمانوں پر بمباری کرنے والوں کی چیزیں نہ کھائیں گے نہ استعمال کریں گے۔آپ کو معلوم ہے کہ لسٹیں سامنے آگئی ہیں وہ لسٹیں موجود ہیں گوگل پر موجود ہیں، فیس بک پر موجود ہیں، یوٹیوب پر موجود ہیں، کئی گروپوں میں سوشل میڈیا پر موجود ہیں کہ کون سی چیزیں ہیں جو یہودیوں اور اسرائیلیوں کے ملک بناتے ہیں اور آپ کے ملک میں آرہی ہیں، جن میں ایک مشہور میکڈونلڈ ہے یہ آپ کے شہروں اور ملکوں میں بنا

ہوا ہے اس کی آمدنی اور نفع اُنہی یہودیوں کو جاتا ہے، یہ اُنہی کی فرم اور چین ہے جو آج مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

آپ لائنوں میں لگ کر جا کر خرید کر ان کی چیزوں کو شوق سے کھاتے ہیں۔ کم از کم اللہ تو دیکھ رہا ہے فرشتے تو لکھ رہے ہیں اتنا ارادہ تو کر لو کہ ہم اور کچھ نہیں کر سکتے جا کر لڑ نہیں سکتے تو ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں۔

آج کے بعد ہم معلوم کریں گے کہ ان یہودی ظالموں کی کون سی بنی ہوئی چیزیں ہیں؟ جو ہمارے ملک میں آتی ہیں ہم ان کو استعمال نہیں کریں گے۔ تو ہماری ایمانی غیرت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے تو اپنی کافر والدہ کو اپنے گھر میں نہیں آنے دیا تھا اور تم ان کی چیزوں کو اپنے گھروں میں لا کر شوق سے کھاتے ہو۔ جو پیسے ان کو دیتے ہو وہ نفع کماتے ہیں انہی پیسوں سے میزائل بنا کر تمہارے مسلمان بھائیوں اور بچوں کو مار رہے ہیں، تمہارے ان پیسوں سے میزائل خرید کر تمہارے بچوں کو شہید کر رہے ہیں۔

مسلم حکمران ایمانی غیرت کا مظاہرہ کریں:

مسلمان ملکوں کے حکمرانوں کو چاہیے وہ بھی ایمانی غیرت کا مظاہرہ کریں، دینی حمیت کا مظاہرہ کریں اور صرف زبانی کلامی مذمت نہ کریں عملی طور پر اقدام کریں، فلسطینی مجاہدین کے ساتھ یکجہتی کا مظاہرہ کریں اور جراءتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا بائیکاٹ کریں، اقتصادی بائیکاٹ کریں، سفارتی بائیکاٹ کریں، ان کا معاشی بائیکاٹ کریں، ان کا سیاسی بائیکاٹ کریں اور آپس میں متحد ہو جائیں، آپس میں ایک دوسرے کو مضبوط کریں، کافر کبھی بھی آپ کے دوست نہیں ہو سکتے، قرآن مجید کا اعلان غلط نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید نے کہا کہ ان کو اپنا دِلی دوست مت بناؤ ان کے ساتھ دلی محبت کے رشتے مت قائم کرو، تمہاری محبت ایمان والوں کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اچھے اخلاق اور حسن سلوک جو ظالم نہ ہوں اس کے ساتھ تمھیں بھی کرنے کی اجازت ہے۔

جو لوگ یہاں ہیں وہ اپنے فلسطینی بھائیوں کے لیے خوب دعائیں کریں:

اللہ تعالی ہمارے ان مسلم حکمرانوں کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ کوئی عملی اور موثر اقدام کریں اور اس ظلم کو روکیں! میں اور آپ کیا کر سکتے ہیں...... ہم دعا کریں ان کے لیے کہ اللہ تبارک وتعالی مسجد اقصیٰ کو بیت المقدس کو یہودیوں کے قبضے سے آزاد فرمائے۔ اللہ تعالی مجاہدینِ فلسطین کی مدد ونصرت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ظالم اسرائیلیوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کرے۔ اللہ تعالی ان کو بھی، ان کے مددگاروں کو بھی اور تمام سہولت کاروں کو بھی اپنی طاقت سے تباہ وبرباد کردے۔

اے اللہ! ہم تو کمزور ہیں ہم تو عاجز ہیں، تو بڑی طاقت والا ہے اور تو خالق ومالک ہے تیری طاقت اور قدرت کی

تو کوئی انتہا نہیں ہم تیری بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں، اے اللہ پھر بدر واُحد کی یادیں تازہ کردے اور ان تمام دشمنانِ دین واسلام کو تباہ وبرباد کردے۔ اے اللہ جو وہاں لڑ رہے ہیں وہ تیرے دین کے لیے لڑ رہے ہیں، دنیا کے لیے نہیں لڑ رہے وہ مال ودولت کے لیے نہیں لڑ رہے، اقتدار کے لیے نہیں لڑ رہے وہ تو اپنے پیغمبر کی وراثت کے لیے اور مسجد اقصیٰ جو مسلمانوں کی دولت ہے اس کی حفاظت اور آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، وہ جہاد میں ہیں۔

ہم ہر نماز کے بعد ان کے لیے دعا کریں اور دوسرا کام ہم یہ کریں کہ جتنا ہو سکے جس انداز میں ہو سکے اپنے حکمرانوں پر دباؤ ڈال سکتے ہیں وہ ڈالیں، کیونکہ حکومت تو ہمارے پاس نہیں ان کے پاس ہے تاکہ وہ اپنے اس منصب کی بنا پر اپنا بھرپور اقدام کریں اور عملی اقدام کریں...... تیسرا یہ کہ جس طریقے سے بھی ہو سکے اور جس طرح ہم بھی کر سکتا ہوں ان کی امداد کریں، آج ان کے پاس دوائیاں نہیں ہیں آج ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں ہے ان کے پاس چھت نہیں ہے ان کو ہر طرح کی چیزوں کی ضرورت ہے، میرے اور آپ کے لیے وہاں پہ بھیجنا مشکل ہے لیکن پھر بھی بہت سے ادارے ایسے ہیں جو اس کا انتظام کر رہے ہیں اور ہم بھی اس سلسلے میں کوشش کر رہے ہیں ہمیں کوئی یقینی اور اطمینان والا ذریعہ مل جائے کہ ہم وہاں امداد پہنچا سکیں تو پھر ہم اعلان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اِن مجاہدینِ فلسطین کو فتح عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا عن الحمدللہ رب العالمین۔

بیت المقدس میں نماز کی فضیلت

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی مجلس میں آپس میں اس بات پر گفتگو کی کہ بیت المقدس کی مسجد (اقصیٰ) زیادہ افضل ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (نبوی)؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد (نبوی) میں ایک نماز (اجر وثواب کے اعتبار سے) اس (بیت المقدس، مسجد اقصیٰ) میں چار نمازوں سے زیادہ افضل ہے اور وہ (مسجد اقصیٰ) نماز پڑھنے کی بہترین جگہ ہے: ولنعم المصلی ہو، عنقریب ایسا وقت بھی آنیوالا ہے کہ ایک آدمی کے پاس گھوڑے کی رسی کے بقدر زمین کا ایک ٹکڑا ہو جہاں سے وہ بیت المقدس کی زیارت کر سکے (اس کے لئے بیت المقدس کو ایک نظر دیکھ لینا) پوری دنیا یا فرمایا دنیا و مافیہا سے زیادہ افضل ہوگا۔

(مستدرک حاکم: صحیح ووافقہ الذہبی)

اسرائیل کے خلاف حملہ کیوں کیا گیا؟

دکتور محمد بن محمد الاسطل

غزہ کے ممتاز دینی رہنما

میں ان لوگوں میں سے نہیں جو سوشل میڈیا پر چھڑنے والی ہر متنازع گفتگو کا جواب دینے کے لیے میدان میں اُتر پڑتے ہیں، اس لیے کہ میں علمی مقام ومنصب کا احترام ضروری سمجھتا ہوں اور میرا یہ ماننا ہے کہ غیر مفید یا محدود فائدہ والی باتوں میں وقت ضائع کرنے سے بچنا چاہیے۔

ایک دو دن پہلے بعض احباب کی طرف سے مجھ سے دریافت کیا گیا کہ: اس شخص کی رائے کے بارے میں آپ کا کیا جواب ہے جو یہ کہتا ہے کہ صہیونی دشمن کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں تا کہ اسے اتنے شدید ردِ عمل کا موقع نہ ملے۔

خاموشی کے اپنے اصول کو کنارے رکھتے ہوئے، اپنے احساسات کو سرسری طور پر رکھوں گا۔ اس وقت جو صورتِ حال ہے اس میں تفصیل سے جواب دینے کے لیے ذہنی یکسوئی میسر نہیں ہے۔

میں اس ضمن میں ذیل کے صرف چار اسباب آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

پہلی وجہ...... مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی ہیکل کی تعمیر میں پیش قدمی:

دُشمن مسجدِ اقصیٰ کی بے حرمتی، اسے یہودی شناخت دینے، اور ہیکل کی تعمیر کے اپنے ایجنڈے پر ماضی کے مقابلے میں بہت زیادہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ اپنے اس ایجنڈے کو پورا کرنے کے لیے ماضی میں دو یا تین سالوں میں وہ جو اقدامات کرتا تھا اب وہ دو تین ہفتوں میں ہی وہ سب پورا کر رہا ہے۔ ساتھ ہی اہلیانِ شہر القدس کو ذلیل ورسوا کرنے، ہراساں کرنے اور ان کے اہلِ علم وفضل کو جیلوں میں بھرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

صرف یہی نہیں، اس کی حرکتیں اس قدر بڑھ چکی ہیں کہ اب وہ مسجدِ اقصیٰ میں نماز سے لوگوں کو روک رہا ہے، اس کی رکاوٹوں کی وجہ سے لوگ نماز کے لیے مسجد تک نہیں پہونچ پاتے۔ مسجد کے اندر تقریبا 50 علمی حلقے منعقد ہوتے تھے لیکن اب سالوں سے ان پر بھی پابندی عائد ہے۔

مجاہدین کے آپریشن سے چند دن پہلے تقریبا پانچ ہزار صہیونیوں نے مسجدِ اقصیٰ میں گھس کر اس کی بے حرمتی کی۔ کئی دنوں سے ان کی یہی حرکات جاری تھیں۔ مسجد کی بے حرمتی کے ایسے مظاہر گزشتہ بیس سالوں میں بھی سامنے نہیں آئے تھے۔ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی، اور اسے یہودی رنگ دینے کی بڑھتی ہوئی حرکتوں کے رد میں مجاہدین نے اپنے

آپریشن کوانجام دیا۔معرکہ کے نام "طوفان الاقصیٰ" سے ہی اس کا مقصود ظاہر ہوتا ہے۔

دوسری وجہ......غزہ نوجوانوں کی سماجی اور معاشی مشکلات:

دشمن ہمیں گزشتہ پندرہ سالوں سے دھیرے دھیرے موت کی طرف دھکیلنے کے اپنے منصوبے پر کار بند ہے۔ ہمارے درمیان نوجوانوں کی ایک پوری نسل ایسی ہے جس نے اسی بحران کے درمیان آنکھ کھولی ہے۔ بیس تیس سال کی عمر کو پہنچے ہوئے اکثر نوجوان زندگی کے ہر گوشے سے دور، روزگار سے محرومی کی زندگی جی رہے ہیں، وہ اپنی تعلیم پوری نہیں کر سکتے، شادی نہیں کر سکتے، گھر نہیں بنا سکتے اور انہیں کوئی روزگار بھی نہیں ملتا۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرہ میں طرح طرح کی سماجی مشکلات پھیل چکی ہیں، بے روزگاری ہے کہ بڑھتی ہی جارہی ہے، شادیوں کا سلسلہ رکا سا ہوا ہے، یوں سمجھیں کہ سماجی اور معاشی مسائل کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔

قریبی دنوں میں دسیوں ہزار کی تعداد میں نوجوانوں نے اس امید پر مغربی ممالک کی طرف ہجرت کی کوشش کی کہ انہیں زندگی گزارنے کے لیے روزگار کے کچھ مواقع میسر آئیں گے۔ وہ ایک مشکل سے نکل کر دوسری مشکل کی طرف جانا چاہتے تھے لیکن بحری راستے میں ایسے دسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں نوجوان سمندر اور مچھلی کا لقمہ بن گئے۔

تیسری وجہ...... فلسطینی قیدیوں کے ساتھ بدترین سلوک:

ہمارے جو افراد دشمن کی قید میں ہیں ان کے ساتھ اس کا رویہ وحشیانہ ہے، وہ ایسی شدید اذیتوں کا سامنا کر رہے ہیں کہ گویا ہر دن کئی بار موت کی چکی میں پیسے جارہے ہیں۔ آپ تصور کریں کہ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ڈیڑھ میٹر کے سیل میں 13 سالوں سے قید ہیں، کچھ قیدیوں کو براز وگندگی سے لت پت سیل میں ڈالا جاتا ہے۔ وہ درد والم کا مارا، نفسیاتی اذیت سے دوچار قیدی دو تین دن تک لگ کر اس کی صفائی کرتا ہے کہ اس کے بعد اس میں رہ سکے، اس دوران اس کے کپڑے اتارے جاتے ہیں، اسے زدوکوب بھی کیا جاتا ہے۔ پھر جب سیل صاف ہو جاتا ہے تو اسے اسی طرح کے دوسرے گندے سیل میں منتقل کر دیا جاتا ہے تاکہ اذیت کا وہی سلسلہ پھر شروع ہو۔

ماضی قریب میں قیدیوں کے ساتھ ہونے والا اذیت ناک سلوک برداشت کی حدوں سے بھی باہر جا چکا ہے۔ ان میں یہ احساس پیدا ہونے لگا ہے کہ امت انہیں بھول بیٹھی ہے، کسی کو ان کی مصیبت اور ان کے حالات کی فکر نہیں بلکہ کسی کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہو رہا ہے۔

صہیونی حکومت کے اندر بن غفیر اور اس جیسے دوسرے لوگوں کی قیادت میں انتہا پسند یہودیوں کی مضبوط گرفت کی وجہ سے قیدیوں کی زندگی کو اس طرح جہنم بنا دیا گیا ہے کہ عملاً ان کے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت ہو چکا ہے۔

گزشتہ مہینوں سے یہ آواز اٹھ رہی تھی کہ ان قیدیوں کی رہائی اور اس جہنم سے ان کی آزادی کے لیے جدوجہد

ضروری ہے۔

اس مصیبت میں ہماری قیدی بہنوں کی اذیت کا اضافہ بھی کر لیجیے۔ ہماری بہنوں کو رسوا کیا جا رہا ہے، ان کے دین، ان کی عفت، اور ان کی حیا کو جس طرح تار تار کیا جا رہا ہے میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔

ایسے مرحلہ میں مجاہدین نے آپریشن کیا تا کہ مظالم کے اس لامتناہی سلسلے پر بند باندھا جائے۔

چوتھی وجہ......غزہ کی تباہی کا اسرائیلی منصوبہ:

مزاحمتی حلقوں کی طرف سے یہ وضاحت آچکی ہے کہ انہیں موصول خفیہ معلومات کی روشنی میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ دشمن غزہ کو تباہ کرنے کے لیے اس کے خلاف ایک بھرپور حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ چنانچہ مزاحمتی قوت نے یہ طے کیا کہ دشمن کو اچانک حملہ کا موقع نہیں دینا چاہیے، اچانک حملہ کر کے دشمن جو اہداف حاصل کرنا چاہتا ہے اسے روکنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ اس کارروائی کا آغاز خود مزاحمتی قوت کی طرف سے اچانک ہو نہ کہ دشمن کی طرف سے۔

چنانچہ مجاہدین نے ایک ساتھ کئی مقاصد اور اہداف کو سامنے رکھتے ہوئے بھرپور کارروائی کی۔

ہم 2014 میں اسی قسم کا تجربہ دیکھ چکے ہیں۔ اس وقت بھی مزاحمتی قوت کو جب یہ اندازہ ہو گیا کہ دشمن غزہ کو تباہ کرنے کے لیے حملے کی تیاری کر رہا ہے تو انہوں نے جنگ کا رسمی اعلان کیے بغیر دو دنوں کے اندر دسیوں میزائل سے دشمن کو نشانہ بنایا تا کہ وہ اپنے منصوبہ سے پہلے ہی جنگ میں داخل ہونے پر مجبور ہوا اور اچانک حملہ کر کے دشمن اپنے جو مقاصد پورا کرنا چاہتا ہے (،مثلاً اہم قائدین کو قتل کرنا یا سینکڑوں مجاہدین کو ان کی تربیتی مشقوں کے درمیان گرفتار کرنا وغیرہ،) انہیں پورا نہ کر سکے۔

میں نے جنگی جہازوں اور میزائلوں کی گھن گرج کے درمیان جلدی میں یہ چار اسباب بیان کیے ہیں۔

پھر یہ بھی عرض کروں کہ دشمن کے مقابلے میں کھڑے لوگ اپنے احوال سے بہتر واقف ہیں، جو ان احوال سے واقف نہ ہو اسے چاہیے کہ وہ کوئی بھی رائے قائم کرنے سے پہلے صحیح صورتِ حال دریافت کر لے۔ یہی حکمت کا تقاضہ ہے۔ اور جو وطن سے دور ہو اس پر ایسی کوئی پابندی نہیں کہ وہ ملکی معاملات میں فتویٰ نہیں دے سکتا، البتہ ضروری ہے کہ پہلے وہ حصول معلومات کے ممکنہ ذرائع کا استعمال کر لے کیونکہ فتویٰ کے لییہ ایک ضروری شرط ہے۔

میں بہت ہی گھٹن کے ساتھ یہ سطور قلم بند کر رہا ہے۔ جب معرکہ برپا ہو اس وقت ہمیں دستِ تعاون بڑھانا چاہیے نہ کہ تنقید اور محاسبہ کے تیر چلانے چاہیے۔ جو لوگ صہیونی بیانیہ پر تکیہ کرنے والے استبدادی حکمرانوں کے بیانیہ کو درست سمجھتے ہوں وہ ان وضاحتوں سے بھی مطمئن نہیں ہو سکتے بلکہ یہ لوگ ہر اس شخص کے رد کے لیے تیار رہیں گے جو انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرے گا تا کہ اسی کی بات درست مانی جائے۔ لہٰذا اس قسم کی بحثوں میں

الجھنے کا کوئی بڑا فائدہ نہیں۔

ہم نے برسہا برس سے ایسے تماش بین لوگوں کو دیکھا ہے جن کے بارے میں رسول اللہ کی فرمودات میں ہمیں پہلے ہی بتا دیا گیا ہے ہمیں نصوص میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ محاذوں پر ڈٹنے والوں کو اللہ کے حکم سے نہ تو ان کے مخالفین نقصان پہنچا سکیں گے اور نہ ہی ان کو بے یار مددگار چھوڑ کر تماشہ دیکھنے والے۔

مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ کچھ لوگوں کو اس پر کوئی دکھ نہیں ہوتا کہ پوری کی پوری قوم ذلت، رسوائی، فقر، اور مظلومیت کے دلدل میں ہے، انہیں قید و بند کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے، مسجد اقصیٰ کی حرمت پامال ہو رہی ہے، ہمارے قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک ہو رہا ہے . ان کے نزدیک یہ سب فطری اور معمول کی باتیں ہیں، ان سب کے ساتھ جینا سیکھ لینا چاہیے۔

مجھے نہیں معلوم کہ وہ باطل کہاں ہے جو تمہیں اس بات کی اجازت دے دے گا کہ تم اسے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرو اور پھر اس پر خاموش رہ کر تم سے محبت اور مہربانی کے ساتھ پیش آتا رہے۔

اللہ جل جلالہ سے بس یہی فریاد ہے کہ الٰہی ہم کمزور ہیں ہماری مدد فرما، ہم محتاج اور تیری عنایت کے طلبگار ہیں ہم پر کرم فرما، ہم عاجز ہیں ہمیں غلبہ و قوت عطا فرما، ہم رسوائی سے دوچار ہیں ہمیں عزت و اقتدار عطا فرما، کسی بھی افواہ پھیلانے والے اور ساتھ چھوڑ کر بھاگنے والے کے احسان سے ہمیں بچا .

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

”اللہ اپنے معاملے پر غالب آ کر رہنے والا ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔“

(ترجمہ: اشتیاق عالم فلاحی)

بقیہ: <u>خود کار مہلک ہتھیاروں کی صنعت</u>: ☆......شریعت میں انسانی جان کی حرمت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسلام میں اصل مصالحت اور امن ہے۔ قتل اور جنگ جیسے امور کو اضطراری حیثیت حاصل ہے جس سے بچنے کی ہر ممکن کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ اگر جنگ مجبوری ہو تو ایسے میں کم سے کم نقصان کے امکانات کو یقینی بنانا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ فقہا نے یہاں تک لکھا ہے کہ کسانوں کو قتل کرنے سے گریز کیا جائے گا۔

خود کار مہلک ہتھیار انسانوں کے پیشوں اور انسانی کے جذبات کے مابین فرق کو نہیں پہچان سکتے۔ لہذا بین الاقوامی برادری پر یہ لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ اس قسم کے ہتھیاروں کے لیے ٹھوس قوانین تشکیل دیں۔ اگرچہ انسانی حقوق کے عالمی قوانین الگ سے موجود ہیں لیکن یہ خود کار ہتھیاروں کے نقصانات کو روکنے میں کافی نہیں ہیں۔ اس لیے الگ سے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہے۔

مقالات ومضامین

مسئلہ فلسطین......سال بہ سال

محمد احمد حافظ

نوٹ: ذیل کا مضمون مختلف کتب اور معلوماتی ویب سائٹس کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔اس مضمون میں مسئلہ فلسطین کے آغاز سے اب تک کے نشیب وفراز کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ محض معلوماتی اور معروضی مضمون ہے۔

جنوری 1915 میں برطانیہ کی لبرل پارٹی کے سیاست دان ہربرٹ سیموئل نے اپنا خفیہ میمو 'دی فیوچر آف فلسطین' تیار کیا، جسے کابینہ میں تقسیم کیا گیا،اس میں اس نے الحاق اور سلطنت برطانوی کی بتدریج سرپرستی میں ایک خودمختار یہودی ریاست بنانے کی حمایت کی۔

اسرائیل کی جدید ریاست کا قیام مئی 1948 میں ہولوکاسٹ اور دوسری عالمی جنگ کے بعد عمل میں آیا تھا لیکن اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان جاری تنازع کی تاریخ اس سے بھی پہلے کی ہے۔

تاریخ کا یہ باب کب شروع ہوا،اس بارے میں مورخین اور مبصرین کی آرا مختلف ہیں۔

الجزیرہ پر اپنی سیریز النقبہ (2008ء) میں دستاویزی فلم ساز روان الضامن نے اپنی کہانی کا آغاز نپولین بونا پارٹ سے کیا، جس نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف اپنی جنگ کے دوران محاصرہ علہ تناظر میں 1799ء میں فلسطین میں یہودی وطن کی تجویز پیش کی تھی۔

فرانسیسی کمانڈر نپولین کو بالآخر شکست ہوئی لیکن مشرق وسطیٰ میں یورپی مضبوط گڑھ قائم کرنے کی اس کی کوشش کو 41 سال بعد برطانیہ نے دوبارہ دوہرایا جب وزیر خارجہ لارڈ پالمرسٹن نے استنبول میں اپنے سفیر کو خط لکھا، جس میں انہیں کہا گیا کہ وہ سلطان پر زور دیں کہ وہ مصر کے گورنر محمد علی کے اثر ورسوخ کا مقابلہ کرنے کے لیے فلسطین کو یہودی تارکین وطن کے لیے کھول دے۔

اگرچہ اس وقت فلسطین میں صرف تین ہزار یہودی رہتے تھے لیکن فرانسیسی اشرافیہ بیرن ایڈمنڈ، جیمز ڈی روتھشیلڈ جیسے امیر لوگوں نے یورپ سے دیگر یہودیوں کو ان کے ساتھ شامل ہونے اور بستیاں قائم کرنے کے لیے سپانسر کرنا شروع کیا جن میں سب سے قابل ذکر (شہر) ریشون لتسیون ہے، جس کی بنیاد 1882ء میں رکھی گئی تھی۔

آسٹریا کے مصنف نیتھن برن بام نے 1885ء میں 'صہیونیت' کی اصطلاح اس وقت ایجاد کی جب یہودی، خاص طور پر مشرقی یورپ سے، فلسطین میں مسلسل آتے رہے۔

آسٹریا، ہنگری کے صحافی ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل کی کتاب 'دی جیوش سٹیٹ' ایک دہائی بعد منظر عام پر آئی، جس میں 20 ویں صدی کی آمد کے ساتھ اس طرح کے (ملک) کے قیام کا تصور پیش کیا گیا تھا۔

الجزیرہ کی سیریز النقبہ کے مطابق، ہرزل کے دوست میکس نورڈو کی طرف سے دو ربیوں کو اس امید کے امکانات کی جانچ پڑتال کے لیے فلسطین بھیجا جن کا جواب موصول ہوا کہ 'دلہن خوبصورت ہے لیکن اس کی شادی کسی اور مرد سے ہوئی ہے۔'

برنبام، ہرزل اور نورڈو نے 1897 میں سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل میں پہلی صیہونی کانگریس کا انعقاد کیا جس میں ایک آزاد یہودی ملک کے اپنے خواب اور اس کی تکمیل کے لیے یورپی طاقتوں کی لابنگ کرنے کے منصوبوں پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

1907ء تک برطانیہ مشرق وسطیٰ میں اپنے غلبے کو مضبوط کرنے کے لیے 'بفر سٹیٹ' کی ضرورت پر غور کر رہا تھا۔ برطانوی صہیونی رہنما حائم ویزمین، جو ایک حیاتیاتی کیمیا دان تھا، نے اس وقت مقبوضہ بیت المقدس جا کر جافا کے قریب زمین خرید کر ایک کمپنی قائم کی۔ تین سال کے اندر اندر شمالی فلسطین کے علاقے مرج بن عامر میں تقریباً 10 ہزار دونم زمین حاصل کی گئی، جو ایک ایکڑ کے برابر زمین کی پیمائش ہے، جس کی وجہ سے 60 ہزار مقامی کسانوں کو یورپ اور یمن سے آنے والے یہودیوں کو مجبوراً جگہ دینی پڑی۔

چونکہ یہودی ملیشیا – ہشامر – بستیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی حفاظت کے لیے قائم کی گئی تھی، فلسطینی فارماسسٹ نجیب نصر نے الکارمل کے نام سے ایک اخبار نکالا، جس کا مقصد (فلسطینیوں کو) اس کے خلاف خبردار کرنا تھا جسے وہ نوآبادیاتی فورس سمجھتے تھے۔

پہلی عالمی جنگ کے آغاز سے برطانیہ 'مسلمانوں' پر عدم اعتماد کرنا شروع ہوا، یہ جواز تھا کہ وہ نہر سوئز پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے فلسطین میں اتحادی افواج کی موجودگی بڑھائے۔'

جنوری 1915ء میں لبرل پارٹی کے سیاست دان ہربرٹ سیموئل نے اپنا خفیہ میمو 'دی فیوچر آف فلسطین' تیار کیا، جسے کابینہ میں تقسیم کیا گیا اور جس میں انہوں نے الحاق اور سلطنت برطانوی کی بتدریج سرپرستی میں ایک خودمختار یہودی ریاست بنانے کی حمایت کی۔

سیموئل کی سفارشات پر سفارت کاروں سر مارک سائکس اور فرانسوا جارجس پیکوٹ نے اگلے سال نجی طور پر تبادلہ خیال کیا، جو سائکس پیکوٹ معاہدے کے معمار تھے جس نے عثمانی خلافت کے خاتمے کی صورت میں برطانوی اور فرانسیسی اثر و رسوخ کی حد کا تعین کیا تھا۔

9 نومبر 1917ء کو برطانوی حکومت کے اعلامیے کے بعد ڈیوڈ لائیڈ جارج، وزیر خارجہ آرتھر بالفور اور یہودی برادری کے رہنما والٹر روتھشائلڈ، دوسرے بیرن روتھشائلڈ کے مابین ایک خط میں فلسطین میں 'یہودیوں کے لیے قومی گھر' کے قیام کی باضابطہ طور پر حمایت کا اعلان کیا گیا۔

روتھشائلڈ، سیموئل، سائکس اور ویزمین نے ایک ماہ پہلے لندن میں ایک جشن کے اجتماع سے خطاب کیا تھا۔ جس کے بعد، 11 دسمبر 1917ء کو، جنرل ایڈمنڈ ایلن بائے نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔

1917 سے 1947 تک فلسطین برطانوی انتداب میں رہا۔ (انتداب عارضی بندوبست یا نگرانی کو کہتے ہیں)۔ اس دوران یہودی تنظیموں نے یورپ کے مختلف علاقوں سے یہودیوں کو لاکر بسانا شروع کیا۔

قیصر (شہنشاہ) کی شکست اور پہلی عالمی جنگ ختم ہونے کے بعد، امریکی صدر ووڈرو ولسن نے زوال پذیر سلطنت عثمانیہ کے غیر ترک علاقوں کے بارے میں ماہر تعلیم ڈاکٹر ہنری کنگ اور دانشور چارلس کرین کی مدد سے ایک رپورٹ جاری کی جس میں پتہ چلا کہ فلسطین کی تقریباً 90 فیصد مسلم آبادی صہیونی منصوبے کی 'پرزور مخالف' تھی۔ مصنفین نے احساس کی شدت کے بارے میں متنبہ کیا اور دلیل دی کہ امن کے وسیع تر مفاد میں یہودی امیگریشن کو محدود کیا جانا چاہیے لیکن بین الاقوامی برادری نے انہیں یکسر نظر انداز کردیا، ان کے نتائج 1922ء تک دبا دیے گئے۔

1919ء کی پیرس امن کانفرنس میں لیفٹیننٹ کرنل ٹی ای لارنس (جسے لارنس آف عربیہ کہا جاتا ہے) نے صہیونی وفد کے رہنما ویزمین اور ان کے عرب ہم منصب شہزادہ فیصل بن حسین کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط کے لیے ثالثی کی، جس میں اصولی طور پر فلسطین میں یہودی وطن اور مشرق وسطیٰ میں ایک آزاد عرب قوم کے قیام پر اتفاق کیا گیا تھا۔

1922ء میں لیگ آف نیشنز نے سیموئیل کے دائرہ اختیار میں فلسطین پر حکومت کرنے کے برطانوی مینڈیٹ کو تسلیم کیا، جو اب ہائی کمشنر ہے۔

لیگ آف نیشنز نے فلسطین پر حکومت کرنے کے برطانوی مینڈیٹ کو سیموئیل کے دائرہ اختیار میں تسلیم کیا، جو اب ہائی کمشنر ہے، جس نے یہودیوں کی موجودگی برقرار رکھنے کے لیے کم از کم 100 قانونی اقدامات کو نافذ کرنے میں اہم کردار ادا کیا، ان (اقدامات) میں فلسطین میں عربی زبان کی بجائے عبرانی کو سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کرنا اور ایک علیحدہ یہودی تعلیمی نظام اور یہودی فوج کی اجازت دینا شامل تھا۔ عبرانی یونیورسٹی اور ایک مزدور یونین 'ہستادروت' 1925 تک قائم تھے۔

دہائی گزرنے کے ساتھ ساتھ، فلسطین میں یہودی آبادکاری کے خلاف بڑے پیمانے پر مظاہرے شروع ہو گئے کیونکہ فلسطینی تحریک نے سامراجی برطانیہ کی فوجی اور سفارتی طاقت کی پشت پناہی سے ہونے والے غاصبانہ قبضے کا مقابلہ کرنے اور اس کی مزاحمت کرنے کی کوشش کی تھی۔

اگست 1929ء میں جب بالفور نے مقبوضہ بیت المقدس کا دورہ کیا تو فلسطینیوں نے سیاہ جھنڈے لہرائے اور تقریباً 250 یہودی اور عرب دیوار براق (دیوار گریہ) پر ایک واقعے، میں ہلاک اور بہت سے زخمی ہوئے، یہ واقعہ بغاوت براق کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سموئیل کے جانشین سر جان چانسلر نے تین مسلمانوں کو بدامنی میں حصہ لینے کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

لیکن یہ احتجاج جاری رہا اور 1933ء میں شدت اختیار کر گیا، جب بڑی تعداد میں یہودی آبادکار فلسطین کی سرزمین پر قبضے کے لیے پہنچے، تو 1931ء میں ان کی تعداد چار ہزار سے بڑھ کر 1935 میں 62 ہزار ہو گئی۔

اسی سال انقلابی رہنما شیخ عزالدین القسام کو برطانوی فوجیوں نے جنین کے اوپر پہاڑیوں میں گولی ماردی گئی۔ عزالدین عبدالقادر بن مصطفیٰ بن یوسف بن محمد القسام ایک شامی عالم اور مبلغ تھے، ان کے والد بھی عالم اور دادا قادری سلسلے کے بڑے شیوخ میں سے تھے۔ 'اور لیونٹ' میں برطانوی اور فرانسیسی استعمار کے خلاف مقامی جدوجہد کے اوّلین رہنما اور مجاہد تھے۔ انہوں نے برطانوی استعمار اور مسلح یہودیوں کے خلاف کئی کارروائیاں کیں۔

1936 میں برطانوی نوآبادیاتی حکومت کی مخالفت کی شدت کے نتیجے میں ایسے لوگوں پر بالفور اعلامیہ مسلط کیا گیا جنھوں نے اس کی مذمت کی اور اس کے نتیجے میں چھ ماہ تک عام ہڑتال کی گئی جس کے نتیجے میں فلسطینیوں کے گھروں کو تباہ کر دیا گیا۔

1939 میں ایڈولف ہٹلر کے 'نازی جرمنی' کے خلاف بیشتر دنیا ایک بار پھر جنگ کا شکار ہو گئی، ہٹلر کے جرمنی کو 60 لاکھ یہودیوں کے قتل عام اور حراستی کیمپوں میں پھانسی دینے کی ذمہ دار قرار دیا گیا۔

اس تنازع میں امریکی شمولیت کے کچھ ہی عرصے بعد، امریکہ اور صہیونی تعلقات 1942 میں نیویارک کے بلٹمور ہوٹل میں ہونے والی کانفرنس سے مضبوط ہو گئے۔ یہ واقعہ ایک مسلح صہیونی نیم فوجی دستے ارگن کی کئی سالوں کی سرگرمی کے پس منظر میں پیش آیا جو فلسطین میں مقامی عرب گروہوں پر حملے کر رہی تھی۔

ارگن 22 جولائی 1946 کو مقبوضہ بیت المقدس میں کنگ ڈیوڈ ہوٹل پر بمباری کے لیے بدنام ہے، جس میں 91 افراد مارے گئے، اور نو اپریل 1948 کو 'دیر یاسین قتل عام' ایک اور تنظیم، لیہی (یا سٹرن گینگ) کے تعاون سے کیا گیا، جس میں 107 فلسطینی شہید ہوئے، جن میں سے بیشتر کو ذبح کیا گیا۔

اسی موسم گرما میں، لیہی نامی تنظیم سویڈش سفارت کار فوک برناڈوٹے کو قتل کر دیتی ہے، جسے اقوام متحدہ نے تنازع میں ثالثی کے لیے بھیجا تھا۔

1945ء میں یورپ اور بحرالکاہل میں اتحادیوں کی فتوحات کے بعد، عالمی طاقتوں نے فلسطین میں مزاحمت کے خاتمے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کی۔

متنازع علاقے کا دو ریاستی حل تقریباً 1947 میں وجود میں آیا، جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد 181 پیش کی، جس میں دریائے اردن کے مغرب میں فلسطین کے نام سے ایک نئی ریاست تشکیل دینے کی تجویز پیش کی گئی: ایک یہودیوں اور دوسری عربوں کے لیے۔

مبینہ طور پر امریکہ کے سفارتی دباؤ کے نتیجے میں ووٹنگ کے بعد منظور کی گئی یہ قرارداد فلسطینیوں نے مسترد کر دی، جنہوں نے دلیل دی کہ یہودی باشندوں کے پاس اس وقت 5.5 فیصد سے زیادہ زمین نہیں اور انہیں بین الاقوامی قانونی حیثیت کے علاوہ 56 فیصد حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

14 مئی 1948ء کو برطانوی مینڈیٹ ختم ہوتے ہی وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریون کی قیادت میں اسرائیل کی ریاست قائم کی گئی، جس کو امریکہ اور سوویت یونین نے فوری طور پر تسلیم کر لیا۔

15 مئی 1948 فلسطینی کے لیے ایک ایسا دن ہے جب تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری کی خونی داستانیں دہرائی گئیں۔ مسلح یہودی جتھے فلسطینی شہروں، قصبوں اور دیہات میں پھیل گئے، قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کیا کہ ہزروں فلسطینی شہید ہوئے، فلسطینیوں کو گھروں سے، زمینوں سے اور اپنے علاقوں سے نکال باہر کیا گیا۔ تقریباً 8 لاکھ فلسطینی عوام کو اپنے گھر بار چھوڑ کر اردن، شام اور مصر کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ برطانیہ سمیت مغربی قوتیں اسرائیل کی پشت پر کھڑی رہیں۔ اس تاریخ کو اہل فلسطین 'یوم نکبہ' کے طور پر مناتے ہیں، نکبہ عربی میں 'تباہی' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس دن فلسطینی تقاریر کرتے ہیں، ریلیاں نکالتے ہیں اور ان گھروں کی چابیاں لہراتے ہیں جنہیں وہ پیچھے چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے اور اب بھی واپسی کی امید رکھتے ہیں۔

دسمبر 1948ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد 194 منظور کی جس میں تسلیم کیا گیا کہ فلسطینی عوام 'جو اپنے گھروں کو واپس جانا اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ امن سے رہنا چاہتے ہیں انہیں جلد از جلد ایسا کرنے کا حق دیا جانا چاہیے۔'

اسرائیل نے اس قرارداد کو نئی ریاست، خاص طور پر یہودی آبادی کے لیے خطرہ قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔

ان دونوں واقعات کے درمیان اسرائیل نے لبنان، شام، اردن اور مصر میں اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ جنگ

بندی کے معاہدوں پر دستخط کیے تھے۔

اردن نے 1950 میں مغربی کنارے کا انتظامی کنٹرول سنبھال لیا اور مصر کا غزہ پر قبضہ رہا، یہ انتظام 1967 کی چھ روزہ جنگ تک جاری رہا جب اسرائیلی افواج نے ان علاقوں کو فتح کیا۔

اس سے پہلے، مسلح یہودی جتھوں کا فلسطینی عوام پر تشدد وقفے وقفے سے جاری رہا۔ 1956 میں قلقیلیہ، کفر قاسم اور خان یونس کے دیہاتوں اور 1966ء میں السامو میں مسلمانوں کا بدترین قتل عام ہوا۔

1964ء میں قاہرہ میں ایک آزاد خیال فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) کی بنیاد رکھی گئی جو حقوق کے مسائل پر توجہ دینے کے بجائے مسلح انقلاب کے ذریعے 'فلسطین کی آزادی' کے لیے لڑنے کے لیے وقف تھی، ایک ایسا موقف جسے پی ایل او نے 1993ء تک ترک نہیں کیا اور جسے اسرائیل اور امریکہ دونوں کی طرف سے دہشت گرد تنظیم قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسے 1974ء میں عرب لیگ نے فلسطینی عوام کا واحد نمائندہ تسلیم کیا تھا۔

1967ء میں غزہ کی پٹی، مغربی کنارے، گولان کی پہاڑیوں اور مصر پر اسرائیل کی فوجی پیش قدمی نے نئی اسرائیلی خونریزی کو جنم دیا اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرارداد 242 منظور کی جس میں اسے مقبوضہ علاقوں سے دستبردار ہونے کا حکم دیا گیا۔ اسرائیل کی جانب سے اس قرارداد کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا۔

جنگ یوم کپور، جنگ رمضان یا جنگ اکتوبر (عربی: حرب أکتوبر) جسے عرب اسرائیل جنگ 1973ء یا چوتھی عرب اسرائیل جنگ بھی کہا جاتا ہے 6 اکتوبر سے 26 اکتوبر 1973ء کے درمیان مصر و شام کے عرب اتحاد اور اسرائیل کے درمیان لڑی گئی۔

یوم کپور جنگ کے بعد سلامتی کونسل ایک اور قرارداد نمبر 338 منظور کرتی ہے جس میں جنگ بندی اور اسرائیل سے 1967 کی دراندازی سے پیچھے ہٹنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، لیکن اسرائیل اس قرارداد کو پوری ڈھٹائی کے ساتھ ایک بار پھر ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔

30 مارچ 1976 کو زمین پر اسرائیلی قبضے کے بعد بحیرہ گلیل سے نیگیو تک کے قصبوں میں قابض یہودیوں کے خلاف مزاحمتی کارروائیاں ہوئیں، اس تاریخ کو فلسطینی 'یوم زمین' کے طور پر مناتے ہیں۔

مشرق وسطیٰ میں امن کے لیے ایک پیش رفت 17 ستمبر 1978 کو اس وقت ہوئی جب اسرائیلی وزیر اعظم میناچم بیگن نے مصری صدر انور سادات سے ملاقات کی اور صدر جمی کارٹر کے میری لینڈ ریٹریٹ میں کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر دستخط کیے۔

فریم ورک معاہدوں میں سے ایک نے دونوں ممالک کے مابین ہم آہنگ تعلقات کو فروغ دیا اور دستخط کنندگان

کونوبل امن انعام دلایا لیکن دوسرے کی، متنازع علاقوں پر فلسطین کے مستقبل سے متعلق، فلسطینی وفد کی شمولیت کے بغیر اتفاق رائے کے لیے اقوام متحدہ کی طرف سے مذمت کی گئی۔

اسرائیل نے 1982ء میں لبنان پر حملہ کیا جبکہ 80 کی دہائی کے آخر میں فلسطینی علاقوں میں پہلی انتفاضہ سے اسرائیلی قبضے کے خلاف احتجاجی تحریک شروع ہوئی۔انتفاضہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ ظلم وستم اور قبضے کے خلاف مزاحمت اور بغاوت کے ہیں۔اسی موقع پر شیخ احمد یاسین ابھر کر سامنے آئے اور انہوں نے حماس تنظیم کی بنیاد رکھی۔

پہلی انتفاضہ کے بعد پی ایل او نے اسرائیل کو باضابطہ طور پر تسلیم کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی قراردادوں 242 اور 338 کو قبول کیا۔ 1991ء اور 1992ء میں مذاکرات ایک بار پھر تعطل کا شکار ہوئے۔

اس کے بعد 1993ء کے موسم گرما میں اسرائیلی وزیراعظم اضحاک رابن اور پی ایل او کے چیئرمین یاسر عرفات نے اوسلو اول معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت فلسطینی عبوری خودمختاری، فلسطینی نیشنل اتھارٹی کے قیام اور ان علاقوں سے اسرائیلی دفاعی افواج کے انخلا کا اہتمام کیا گیا جو اب بھی مقبوضہ علاقے شمار کیے جاتے ہیں۔

دوسرا معاہدہ اوسلو دوم 1995 میں ہوا جس کے تحت مغربی کنارے اور غزہ کے کچھ حصوں میں فلسطینیوں کو خودمختاری دی گئی لیکن اس میں ایک بار پھر ریاست کا درجہ نہیں دیا گیا۔

دوسری انتفاضہ تک جاری رہنے والی ایک غیر یقینی جنگ بندی کے نتیجے میں اسرائیل نے 2002 میں مغربی کنارے کے شہروں پر دوبارہ غاصبانہ قبضہ کر لیا، یہ غیر مستحکم کر دینے والا ایسا واقعہ تھا جس نے 2004 میں یاسر عرفات کی موت کے بعد حالات مزید بدتر کر دیے۔

اسرائیل نے 2006 میں لبنان میں حزب اللہ کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور غزہ میں حماس پر بار بار حملے کیے، جن میں آپریشن کاسٹ لیڈ (2008)، آپریشن پلر آف ڈیفنس (2012) اور آپریشن پروٹیکٹو ایج (2014) شامل ہیں۔2017 اور 2018 میں یوم نکبہ کے موقع پر اسرائیل کی طرف سے مزید جارحانہ حملے ہوئے، ان حملوں میں اسرائیل نے جی بھر کے جنگی جرائم کا ارتکاب کیا۔

ڈونلڈ ٹرمپ کے امریکی صدر منتخب ہونے کے بعد صورت حال مزید کشیدہ ہوگئی، ٹرمپ نے اسرائیلی وزیراعظم بیامین نتن یاہو سے دوستی کی اور امریکی سفارت خانے کو تل ابیب سے مقبوضہ بیت المقدس منتقل کر دیا۔اس کے بعد یہ کشیدگی ایک بار پھر اس وقت شروع ہوئی جب حماس نے اسرائیلی جارحیت کے جواب میں راکٹ داغے۔اسرائیل نے اس کے جواب میں غزہ میں اہداف پر جارحانہ بمباری کی۔

حماس کیا ہے؟

حماس یا تحریک مزاحمت اسلامیہ (حرکۃ المقاومۃ الاسلامی) فلسطین کی سب سے بڑی اسلامی تنظیم ہے، جس کی بنیاد 1987ء میں شیخ احمد یاسین نے رکھی۔ شہر میں حماس کے قیام کی پندرہویں سالگرہ کے موقع پر ہونی والی ایک ریلی میں چالیس ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی تھی۔ اس جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے تنظیم کے مرحوم رہنما شیخ احمد یاسین شہید نے 2025ء تک اسرائیل کے صفحۂ ہستی سے ختم ہو جانے کی پیشین گوئی کی تھی۔ حماس نے فلسطینی تحریک مزاحمت کو عرب قومیت اور سوشلزم کے چنگل سے آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا، اور اسے خالص اسلامی نظریاتی بنیادوں پر منظم کیا۔ مایوس فلسطینی نوجوانوں میں امید کی کرن پیدا کی اور اسرائیل کے خلاف جذبہ جہاد کو پروان چڑھایا، 2004ء میں شیخ احمد یاسین اور ان کے بعد ان کے جانشین عبدالعزیز رنتسی شہید کی شہادت کے بعد ہزاروں افراد ان کے قتل پر احتجاج کرنے کے لیے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ حماس انتظامی طور پر دو بنیادی گروہوں میں منقسم ہے:

پہلا معاشرتی امور جیسے کہ اسکولوں ہسپتالوں اور مذہبی اداروں کی تعمیر کے لئے مختص ہے اور دوسرا گروہ اسکی عسکری شاخ، شہید عزالدین القسام بریگیڈ ہے جو فلسطین کا دفاع کرتی ہے۔

حماس نے مہاجرین کے کیمپوں اور گاؤں میں شفاخانے (کلینک) اور سکول قائم کیے جہاں فلسطینیوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ اپنی کامیاب پالیسیوں کی وجہ سے حماس نے 2006 کے انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ 2007, 2006ء میں حماس اور الفتح کے درمیان اختلافات کافی شدت اختیار کر گئے۔ اس طرح فلسطین میں ایک نئی خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ دونوں جماعتوں کے درمیان مفاہمت کی کئی کوششیں ہوئیں۔ لیکن ان میں ناکامی ہوئی۔ آخر کار صدر محمود عباس نے جن کا تعلق الفتح سے ہے۔ جون 2007ء میں حماس کی جمہوری حکومت کو توڑ کر اپنی خود ساختہ کابینہ اور وزیر اعظم کا اعلان کر دیا۔ ایسا کرتے وقت محمود عباس کو امریکہ اور اسرائیل دونوں کی آشیر باد حاصل تھی۔

7 اکتوبر 2023ء کو حماس نے اسرائیل پر مبارک حملوں اور باقاعدہ ’جہاد فلسطین‘ کا آغاز کیا، تادم تحریر حماس مجاہدین نے اپنی کامیاب حکمت عملی سے نہ صرف اسرائیل پر کاری ضربیں لگا رہے ہیں بلکہ انہوں نے اسرائیل کے بھیانک خونی چہرے کو بھی خوب بے نقاب کیا ہے؛ اس کے ساتھ ساتھ پوری دنیا سے ہمدردی اور حمایت بھی سمیٹی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب فرمائے اور فلسطین پر آزادی کا آفتاب طلوع ہو۔ ☆

مقالات ومضامین

خودکار مہلک ہتھیاروں کی صنعت

بین الاقوامی قوانین اور اسلامی نقطہ نظر

جناب محمد اسرار مدنی

سات اکتوبر کے بعد سے اسرائیل نے غزہ پر جارحانہ انداز میں بمباری کر کے پورے پورے محلے زمین بوس کیے؛ اور اس کے نتیجے میں ہزاروں افراد شہید ہوئے ہیں۔ان میں بیشتر معصوم بچے اور خواتین ہیں جن کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں۔اسی طرح انسانی آبادی پر وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے بموں کے علاوہ فاسفورس بموں کی بارش بھی کی ہے۔ایک اسرائیلی لیڈر نے یہاں تک کہا ہے کہ غزہ پر ایٹم بم گرا دینا چاہیے۔یوں اسرائیل بہت بڑی انسانی آبادی کی نسل کشی کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہے۔وہ جنگی جرائم کا بلا روک ٹوک ارتکاب کر رہا ہے۔اسرائیل کے ان جنگی جرائم پر پوری دنیا میں احتجاج ہو رہا ہے۔ذیل کا مضمون اسی تناظر میں قارئین کے مطالعے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

اِس وقت دنیا میں خودکار مہلک ہتھیاروں کی صنعت اور اس کے فروغ کی روک تھام یا اس کے لیے عالمی قوانین وضع کرنے کے لیے ایک پرزور مہم چل رہی ہے۔اس قسم کے اسلحے سے جڑے خطرات سے متعلق گفتگو تو نوے کی دہائی کے اواخر سے ہو رہی ہے۔البتہ ان ہتھیاروں کی روک تھام یا اس سے متعلق متفقہ عالمی قوانین کی مہم کا پرزور آغاز بنیادی طور پہ اپریل 2013 میں Stop Killer Robots کے عنوان کے تحت مختلف غیر سرکاری تنظیموں اور تھنک ٹینکس کے ایک اتحاد نے کیا تھا۔اس مہم کا مطالبہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر خودکار مہلک ہتھیاروں کی صنعت اور اس کے فروغ پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔مگر امریکا، برطانیہ، روس اور اسرائیل سمیت بڑی طاقتیں ایسے کسی قانون کو وضع کرنے اور اسے لاگو کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ان کے مطابق انسانی حقوق کے عالمی قوانین ہی اس کے استعمال وغیرہ کے ضمن میں کافی ہیں، الگ سے اس صنعت کے لیے باقاعدہ قانون سازی کرنے یا اس پر پابندی عائد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔البتہ پاکستان، مصر، میکسکو اور برازیل سمیت تقریبا 27 ممالک ایسے ہیں جو ایسے ہتھیاروں پر مکمل پابندی کے حق میں ہیں۔جبکہ مجموعی طور پہ 126 ملک ایسے ہیں جو اس کے لیے خاص قوانین وضع کرنے کے حق میں ہیں، مگر جو بڑے ملک ایسے ہتھیار بنا رہے ہیں وہ ایسی پابندی کے حق میں نہیں ہیں، اور نہ اب تک خاص قوانین کے حق میں ہیں۔

خود کار مہلک ہتھیار(lethal autonomous weapons) کیا ہیں؟

خود کار مہلک ہتھیار کیا ہیں؟ اس حوالے سے اختلافات موجود ہیں۔ البتہ ایک معروضی تعریف یہ کہ lethal autonomous weapons میں وہ تمام ہتھیار شامل ہیں جنہیں چلانے اور فیصلہ کرنے میں بہت کم انسانی دخل ہوتا ہے یا انسانی عمل دخل بالکل نہیں ہوتا۔ مصنوعی ذہانت کے شعبے میں ترقی اور جنگ اور جنگی ہتھیاروں میں اس کے بڑھتے استعمال نے اس قسم کے اسلحے کی صنعت اور اس کے فروغ میں اضافہ کیا ہے۔

خود کار مہلک ہتھیاروں کے فروغ پر اعتراضات

ناقدین کے مطابق یہ امر کسی طور انسانی حقوق اور اخلاقی حوالے سے درست نہیں ہے کہ میدان جنگ میں ایسی مشینوں کو فیصلہ کرنے اور انہیں مارنے کا اختیار دیدیا جائے جو کئی حوالوں سے ناقص اور غیر شعوری فہم رکھتی ہیں۔ ایک مشین بالغ اور بچے میں کیسے فرق کرے گی، جنگجو اور غیر جنگجو شہری کے مابین کیسے امتیاز کرے گی، ایک زخمی یا سرنڈر کرنے والے کو وہ کیسے پہچان سکتی ہے۔ انسانوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے سے متعلق مشینوں کو اختیار نہیں دیا جاسکتا۔

سال 2015 میں مصنوعی ذہانت کے شعبے میں کام کرنے والے ایک ہزار سے زائد ماہرین نے ایک قرار پر دستخط کیے تھے کہ خود کار ہتھیاروں پر انسانی کنٹرول کو بڑھایا جائے یا اس پر پابندی عائد کرنے کی جائے، کیونکہ مصنوعی ذہانت کے شعبے میں ترقی کے بعد اس قسم کے ہتھیاروں کی صنعت میں مسابقت میں اضافہ ہوگا اور یہ انسانوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس قرارداد پر دستخط کرنے والوں میں سٹیفن ہاکنگ، ایلون مسک اور نوم چومسکی بھی شامل تھے۔

خود کار مہلک ہتھیاروں کے فروغ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انسانوں کو مستقبل اور جنگ کی نوعیت اور اس کی حدود کے کنٹرول کے حوالے سے ہمیشہ ابہام رہے گا کہ جنگ کا نتیجہ کیا نکلے گا، اس کے نقصان کا دائرہ کیا ہوگا، وغیرہ۔

اس حوالے سے ایک اہم خدشہ یہ بھی ہے کہ اس قسم کے ہتھیاروں کی دوڑ میں یہ بھی واضح نہیں ہے اور نہ رہے گا کہ کون سا ملک کس حد تک خطرناک یا کس نوعیت کے ہتھیار بنا رہا ہے یا بنائے گا۔ ایسی کسی شفافیت کا نہ ہونا بھی تشویش ناک ہے۔

مصنوعی ذہانت کے سائنسدان ٹابی والش(Toby Walsh) کے مطابق مصنوعی ذہانت کے شعبے میں ترقی اچھی بات ہے، لیکن اس کا ہتھیاروں کی صنعت میں استعمال کم سے کم ہونا چاہیے۔ مصنوعی ذہانت کو انسانی فلاح،

بہبود اور بھلائی کے دوسرے شعبوں میں استعمال کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ٹریفک کنٹرول اور گاڑیوں کی صنعت میں ہو رہا ہے یا کمیونیکیشن اور نالج کے شعبوں میں ہو رہا ہے۔

اس قسم کے ہتھیاروں کے ناقدین کا ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اگر جنگ میں اس اسلحے کے استعمال سے کوئی بڑے نقصانات ہو جاتے ہیں یا اہداف غلط ہو جاتے ہیں، یا بڑی سطح پر انسانی جانوں کا ضیاع ہو جاتا ہے تو ایسے میں نقصان یا غلطی کا ذمہ دار کون ہوگا؟ وہ ملک ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا، میدان جنگ کی عسکری قیادت ذمہ دار ہوگی یا اسے بنانے والی کمپنی یا ادارہ ذمہ دار ہوں گے؟ 2019 اور 2021 کے دوران اقوام متحدہ میں اس خودکار ہتھیاروں کے مخالف ممالک نے تجویز دی تھی کہ ایسے ہتھیاروں کے استعمال کے نتائج بارے کوئی عالمی متفقہ پالیسی وضع کی جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسی کسی پالیسی کے وضع کرنے میں کئی طرح کی پیچیدگیاں ہیں۔ کیونکہ اس کے استعمال کے نتائج ہمیشہ غیر واضح اور مبہم رہیں گے۔ ایک رِسک اور خدشہ ہمیشہ رہے گا۔

حالیہ جنگوں میں استعمال

بعض ماہرین کے مطابق روس نے یوکرین کی جنگ میں خودکار مہلک ہتھیاروں کا محدود استعمال کیا ہے۔ اسی طرح بعض رپورٹس یہ بھی ہیں کہ امریکا نے یوکرین جو ہتھیار فراہم کیے ہیں ان میں کچھ محدود سطح پر autonomous weapons شامل ہیں۔

ماہرین خبردار کر رہے ہیں کہ اِس وقت کئی ممالک میں اس قسم کے ڈرون کی شکل کے چھوٹے ہتھیاروں کی صنعت عروج پر ہے اور جنگوں میں ان کا کثرت کے ساتھ استعمال ہو سکتا ہے، جو خطرے کی گھنٹی ہے۔

مصنوعی ذہانت کے شعبے کے برطانوی سائنسدان Stuart J. Russell کے مطابق خودکار ہتھیار ایٹمی ہتھیاروں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ کسی بھی ملک میں لاکھوں کی تعداد میں بنائے جا سکتے ہیں اور جنگ کے دوران بے دریغ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

قوانین سے متعلق اقدامات میں پیش رفت

اقوام متحدہ کا ادارہ اس حق میں ہے کہ خودکار مہلک ہتھیاروں پر پابندی عائد کی جانی چاہیے۔ 2019 میں اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری انٹونیو گوٹیرش نے کہا تھا کہ 'ایسے ہتھیار جو انسانی عمل دخل کے بغیر اپنے فیصلے سے انسانی جان لے سکتے ہوں وہ سیاسی طور پہ ناقابل قبول اور اخلاقیات کے منافی ہیں۔' اقوام متحدہ میں ہر دو سال کے وقفے کے بعد اس مسئلے پر بحث ہوتی ہے۔

ایسے ہتھیاروں پر پابندی کے لیے اتحاد میں جو ادارے شامل ہیں وہ دنیا میں اثر و رسوخ اور اعتبار کے حامل

ہیں جن میں ایمنسٹی انٹرنیشنل، ہیومن رائٹس واچ، ہلال احمر، انٹرنیشنل کمیٹی فار روبوٹ کنٹرول آرمز، وغیرہ شامل ہیں۔

چونکہ اب تک امریکا اور روس جیسے ملک ان ہتھیاروں پر پابندی یا ان کے لیے خاص قوانین کے حق میں نہیں، اس لیے باقاعدہ عملی سطح پر کوئی عالمی متفقہ پیش رفت نہیں ہو سکی۔ لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ ایک سنجیدہ خطرہ ہے، اس لیے اس سے متعلق ضوابط کو زیادہ دیر تک ٹالا نہیں جا سکے گا۔

اسلامی شریعت کا موقف

انسانی جان کی حرمت اور اس کی حساسیت کا مسئلہ صرف اسلام کا ہی نہیں ہے، بلکہ تمام ادیان میں اس کی کا لحاظ رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ فقہاء شروع سے ہی اس مسئلے کی جزئیات پر کلام کرتے آئے ہیں کہ جنگ کے دوران دشمن کے ساتھ سلوک کی نوعیت کیا رہنی چاہیے اور آلاتِ قتل کے استعمال میں کن امور کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

☆...... شرعی طور پہ اس امر کی اجازت ہے کہ جدید ہتھیاروں کو بنایا بھی جا سکتا اور ان کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس پہلو میں انسانی جان کی حرمت کے لیے اور حدود سے تجاوز نہ کرنے کے جو بنیادی اصول طے ہیں ان کی مخالفت کی اجازت نہیں ہے۔ اگر جنگ میں خود کار مہلک ہتھیاروں کا استعمال کیا جائے تو اس میں ماہرین یہ کہتے ہیں کہ نہ تو نقصان پر کنٹرول کیا جا سکتا ہے اور نہ انسانوں کے مابین ظاہری اور جذباتی سطح پر کئی چیزوں میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ لہذا اس میں بے دریغ انسانی جانوں کے ضیاع کا خطرہ ہے۔ لہذا یا تو یہ یقینی ہو کہ خود کار ہتھیار انسانوں کی طرح حالات کا جائزہ لینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ان سے ہونے والا نقصان یا اقدام اتنا ہی ہو جتنا مطلوب ہے۔ اگر ایسا ممکن نہیں، جیسا کہ ماہرین یہ کہتے ہیں، تو پھر اسلامی قانون کے تناظر میں ایسے ہتھیاروں پر پابندی یا کم از کم ان سے متعلق قوانین وضع کرنا ضروری ہیں۔

☆...... منجنیق ایسا ہتھیار ہے جو جنگ میں استعمال ہوتا آیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ بعض فقہا جنگ میں منجنیق کے استعمال کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا ہتھیار ہے جس سے عام شہری، بچے یا وہ لوگ بھی متاثر ہو سکتے ہیں جن کو مارنا درست نہیں ہے۔ گویا ہر ایسا اسلحہ جس سے نقصان کو کنٹرول نہ کیا جا سکے، اسلامی قانون میں اس کے استعمال سے بچنا چاہیے۔ جو فقہا مجبوری میں منجنیق کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں وہ اسے بھی بہر حال مکروہ کہتے ہیں۔

☆...... اسی طرح مسلم تاریخ میں کئی فقہا اندھیرے میں جنگ کرنے سے بھی منع کرتے تھے، کیونکہ اس سے بھی عام شہریوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور غیر مسلح افراد اس کی زد میں آ سکتے ہیں۔

☆......قدیم فقہ میں اس بات پر بحثیں موجود ہیں کہ اگر کوئی قلعہ فتح نہ ہو پا رہا ہو اور اندر مسلح دشمن ہوں تو اس قلعے کو آگ لگانا درست ہوگا یا نہیں۔ فقہا نے اس سے منع کیا ہے، کیونکہ اس سے ماحول اور عام افراد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

☆......اسلامی قانونِ حرب کا ایک اصول ہے جسے 'سدِ ذرائع' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق ہر وہ اقدام درست نہ ہوگا جس میں زیادتی کا شبہ ہو۔ اگر میدان جنگ میں مسلح دشمن کو نشانہ بناتے ہوئے اس امر کا خطرہ ہو کہ اس سے غیر مسلح یا غیر حربی، بچوں، خواتین، بوڑھوں یا معذوروں کو بھی بے دریغ نقصان پہنچ سکتا ہے تو اس طرح کے ہتھیاروں کو استعمال نہ کیا جائے۔

جدید اسلحے کی ضمن میں بھی یہی اصول ہے کہ اگر ان کے ذریعے عسکری اہداف میں خطا اور غلطی کا احتمال ہو تو ایسے اسلحے کا استعمال درست نہیں ہے۔ عصر حاضر کے بین الاقوامی جنگی قوانین میں بھی یہ اصول موجود ہے کہ جنگ میں بے دریغ قتل یا ایسا اقدام درست نہیں جس میں نقصان کا تخمینہ نہ ہو۔

☆......اسلامی شریعت میں جنگ کے حوالے سے قوانین کو بہت تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کئی احادیث مبارکہ ایسی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرمایا ہے کہ لڑائی کے دوران بے دریغ قتل کرنا جائز نہیں ہے اور یہ کہ کسی کو نشانہ بناتے ہوئے یہ خیال رکھا جانا چاہیے کہ خواتین، بچوں، بوڑھوں، معذوروں اور عام شہریوں کو قتل نہ کیا جائے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے دوران درختوں کو جلانے یا ماحول کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ قرآن کریم کی آیت میں اللہ تعالی نے واضح انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ میدان جنگ میں دشمن سے لڑائی کے وقت حد سے تجاوز نہ کیا جائے (وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ البقرہ:190) حد سے تجاوز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اقدامات نہ کیے جائیں جن میں انسانی جان کی حرمت کا لحاظ نہ رہے اور قواعد وضوابط کی پابندی نہ ہو۔ خود کار مہلک ہتھیاروں کے استعمال میں انسانی جانوں کے ساتھ بے دریغ زیادتی کے کھلے امکانات ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک اور آیت کریمہ میں ہتھیاروں کے استعمال میں یہ قانون بیان کیا گیا کہ چاہے تمہاری کسی کے ساتھ سخت دشمنی ہی کیوں نہ ہو پھر بھی جنگ میں عدل کو ترک نہ کیا جائے۔ (وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوا۔ النساء:135)

☆......اسلام میں جنگ کے دوران صرف انسانی جان کی حرمت پر زور نہیں ہے، بلکہ ایسے اقدامات سے بھی گریز کا حکم ہے جن سے ماحول میں تخریب کاری پیدا ہوتی ہو۔ جیسے فصلوں اور سبزے کو جلانا، جانوروں کو مارنا، وغیرہ۔ **(بقیہ صفحہ نمبر:۲۶)**

درسِ نظامی کی بعض کتب کے درست نام

اوران کی نسبتوں کی تحقیق

مولوی احمد شہزاد قصوری

بحیثیتِ فن کسی بھی کتاب کے مطالعہ سے پہلے اُس کا درست اور مکمل نام معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس سے ایک تو مؤلف کے وضع کردہ اصل نام کا پتا چل جاتا ہے اور دوسرا یہ چیز اُس کتاب کے ابتدائی تعارُف، کتاب کے موضوع اور منہجِ مؤلف کو سمجھنے میں مدومُعاوِن ثابت ہوتی ہے۔

سوال میں پوچھی گئی جزئیات کے جوابات ذیل میں مرحلہ وار ذکر کیے جاتے ہیں:

صحیح بخاری کا مکمل نام:

یہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) رحمہ اللہ کی مایہ ناز تصنیف ہے، جس کا اصل نام ''الجامعُ المُسنَدُ الصحيحُ المختصَرُ من أُمُور رسول الله ﷺ وسُننِه وأيّامِه ''ہے، جیسا کہ ابن خیر الاشبیلی (متوفی ۵۷۵ھ) رحمہ اللہ، حافظ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) رحمہ اللہ، امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) رحمہ اللہ اور علامہ بدرالدین عینی (متوفی ۸۵۵ھ) رحمہ اللہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، چنانچہ ''فِهْرِسَةُ ابن خير الإشبيلي ''میں ہے:

''مُصنَّفُ الإمامِ أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البُخاريِّ، وهو: "الجامعُ المسنَدُ الصحيحُ المُختصَرُ من أُمورِ رسولِ الله ﷺ وسُنَنِه وأيامه''(۱).

اسی طرح حافظ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) رحمہ اللہ اپنی کتاب ''معرفةُ أنواعِ علم الحديث ''میں تحریر فرماتے ہیں:

''كتاب البخاريِّ ....اسمُه الذى سمَّاه به، وهو: ''الجامعُ المُسنَدُ الصحيحُ المُختصَرُ من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه''(۲).

اسی طرح امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) رحمہ اللہ اپنی کتاب ''تهذيب الأسماء واللغات ''میں رقم فرماتے ہیں:

”أمـا اسمُه: سمَّاه مؤلِّفُه البخاريُّ رحمه الله ، وهو: ”الـجامعُ المسندُ الصحيحُ المُختصَرُ من أمور رسولِ الله ﷺ وسننِه وأيامه“(۳).

اسی طرح علامہ عینی (متوفی ۸۵۵ھ) رحمہ اللہ ”عُمدة القاری بشرح صحيح البخاری“ میں رقم طراز ہیں:

”سمَّى البخاريُّ رحمه الله كتـابَه بـ"الجامع المسنَد الصحيح المُختصَر من أمورِ رسولِ الله ﷺ وسننِه وأيامه“(۴).

صحیح بخاری کے اس مکمل نام میں گویا چار قیودات آئی ہیں: (١) "الجامعُ". (٢) "المُسندُ". (٣) "الصحيحُ". (٤) "المُختصَرُ من أمورِ رسولِ الله ﷺ وسننِه وأيامه".

یہ تمام قیودات کتاب کے مضمون اور اس کے مواد کی نوعیت کی نشان دہی کر رہی ہیں، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ "صحیح بخاری" کی شرائط ومنہج کو پرکھنے میں حضراتِ محدثین کے ہاں اس کے مکمل نام کو بہت بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔

صحیح مسلم کا مکمل نام:

یہ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قُشیری (متوفی ۲۶۱ھ) رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب ہے، جس کا اصل نام ”المُسنَدُ الصحيحُ المُختصَرُ من السُّننِ بنَقْلِ العَدْل عن العدْل عن رسولِ الله ﷺ “ ہے، چنانچہ ابن خیر الاشبیلی (متوفی ۵۷۵ھ) رحمہ اللہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"مُـصَـنَّف الإمـام أبـي الـحسيـن مُسلم بن الحجَّاج بن مُسلم القُشيرِيِّ النَّيْسَابوريِّ، وهو:

"المسندُ الصَّحيحُ المُختَصرُ من السّنَن بنَقْل العدْل عن العدْل عن رسولِ الله ﷺ“(۵).

اسی طرح قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ) رحمہ اللہ اور دیگر علماءِ کرام نے بھی "صحیح مسلم" کے اصل اور مکمل نام کی تصریح فرمائی ہے، البتہ! قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "صحیح مسلم" کا اصل نام ذکر کرتے ہوئے ”الـمُـخـتَـصـر“ کے بعد ”مـن الـسُّـنَـن“ کے الفاظ ذکر نہیں فرمائے، جبکہ وہ اس کا لازمی حصہ ہیں، زمانہ قریب کے مشہور محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ (متوفی ۱۴۱۷ھ) رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”تـحـقيـقُ اسـمَـيِ الـصـحيـحَين واسمِ جـامع التِّـرمَذی“ میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس صنیع پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کی عبارت میں اختصار ہے اور اصل نام میں ”من السّنَن“ کے الفاظ موجود ہیں، چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

"وسمّى الإمامُ القاضی عیاض رحمه الله "صحیح مسلم" فی کتابِه "مشارق الأنوار علی صِحاح الآثار"، و"الغُنیَة": "المسندُ الصَّحیحُ المُختَصرُ بنَقْل العدْل عن العدْل عن رسولِ الله ﷺ"، وفی هذا العُنوان اختصارٌ أیضًا، وهو لفظُ "من السنن"(٦).

کتابوں کے ناموں کی تصحیح کے حوالے سے شیخ عبدالفتاح ابوغُدہ رحمہ اللہ کی تاکید:

شیخ عبدالفتاح ابوغُدہ (متوفی ۱۴۱۷ھ) رحمہ اللہ نے "تحقیقُ اسمَیِ الصحِیحَین" میں مزید تحریر فرمایا ہے کہ "صحیح بخاری" اور "جامع ترمذی" کی طرح "صحیح مسلم" کی طبعات بھی اصل نام سے خالی ہیں، جبکہ یہ بہت بڑا عیب اور نقص ہے اور یہ بات کتاب کی حقیقت کو سمجھنے میں ایک بڑی رُکاوٹ ہوتی ہے، لہٰذا اس کی کمی کا ازالہ ہوجانا چاہیے اور آئندہ کی طبعات میں کتاب کا اصل اور درست نام ٹائٹل پر چسپاں کرنا چاہیے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"تعدَّدتْ طبعاتُ "صحیح مُسلم" تعدُّدًا کثیرًا فی بِلاد مصرَ، والشّام، والهند، وترکیا، والمغرب وغیرِها، ولم یُثبَتْ علی طبعةٍ منها اسمُه العَلَمِیُّ، الذی سمَّاه به مؤلِّفُه الإمامُ مسلمُ بنُ حجاج القُشَیریُّ النَّیسابُوریُّ شأنَ "صحیح البخاری"، وشأنَ "جامع التِّرمَذی".

"وهذا خلَلٌ شدیدٌ ونقصٌ ظاهرٌ فی تشخِیصِ الکتاب، والتعریف بمضْمُونه وما بُنِی علیه، فیَنبغِی تدارُکه فی طبعاته اللاحقة"(٧).

جامع ترمذی کا مکمل نام:

یہ امام ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف کردہ احکامِ فقہیہ پر مشتمل بہت ہی اہم کتاب ہے، جس کا اصل نام "الجامعُ المختصَرُ من السننِ عن رسول الله ﷺ، ومعرفةُ الصحیحِ والمَعلُولِ، وما علیه العمَل" ہے، جو کہ کتاب کے مضمون کی بخوبی وضاحت کررہا ہے، چنانچہ ابن خیر الِاشبیلی (متوفی ۵۷۵ھ) رحمہ اللہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"مُصنَّفُ الإمامِ أبی عیسی محمد بن عیسی بن سَورة التِّرمذیّ الحافظ، وهو: "الجامعُ المُختصَرُ مِن السُّنن عن رسولِ الله ﷺ، ومعرفةُ الصحیح، والمعلول، وما علیه العمل"(٨).

اب دیکھیے "صحیح بخاری" کی طرح "صحیح مسلم" اور "جامع ترمذی" کا اصل نام بھی کتاب کے مضمون اور مواد کی نوعیت کی بھرپور وضاحت کررہا ہے، جس سے اس اصل نام سے واقفیت کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

جامع ترمذی کے اصل نام سے واقفیت کی اہمیت وضرورت:

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ''تحقیقُ اسمَي الصحِیحَین ''**میں "جامع ترمذی" کا اصل نام ذکر کرنے** بعد کے خاص اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "جامع ترمذی" کا اصل نام اس کے ٹائیٹل پر درج کرنا "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کے اصل ناموں کی بنسبت زیادہ ضروری ہے؛ کیونکہ "صحیحین" تو احادیثِ صحیحہ پر ہی مشتمل ہیں، جبکہ "جامع ترمذی" میں صحیح ومعلول ہر طرح کی احادیث درج ہیں، جس کی صراحت کتاب کے نام میں موجود ہے، اس لیے "صحیحین" کے اصل ناموں کو کتاب کے ٹائیٹل پر ذکر نہ کرنا اتنا خطرناک نہیں ہے، جتنا "جامع ترمذی" کے اصل نام کو ترک کرنا نقصان دہ ہے(۹)۔

پھر فرماتے ہیں: ہمارے یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے کبار مشائخ اور محققین حضرات نے "جامع ترمذی" پر خدمات سرانجام دی ہیں، لیکن افسوس کہ ان حضرات میں سے کسی نے بھی "جامع ترمذی" کا درست اور اصل نام ذکر نہیں کیا، گویا ان حضرات نے اصل نام کی تصحیح کی طرف توجہ ہی نہیں کی، حالانکہ کتاب کے نام کی تصحیح تو سب سے مقدم چیز ہے(۱۰)۔

شمائلِ محمدیہ کا اصل اور درست نام:

ہمارے ہاں شمائلِ ترمذی کے نام سے جو کتاب مشہور ہے، اس میں امام ترمذی رحمہ اللہ کے شمائل نہیں، بلکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وشمائل مذکور ہیں اور اس مشہور ترکیب میں لفظِ ''شمائل'' کی ''ترمذی'' کی طرف نسبت ہی خلافِ ظاہر ہے، یہ کتاب بھی امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، اس کا اصل اور درست نام ''الشَّمـائـلُ النَّبَـوِیَّةُ والخصائلُ المُصطَفَوِیة ''ہے، جیسا کہ مشہور مُفہرِس حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۷ھ) رحمہ اللہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، چنانچہ وہ اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''کشُف الظُّنُون عن أسامی الکتُب والفُنون ''میں تحریر فرماتے ہیں:

"شَـمـائـلُ الـنبـی ﷺ: "الشَّـمـائـلُ النَّبَوِیَّةُ والخَصائلُ المُصطَفَوِیَّة" لأبی عیسی محمد بن سَورة، الإمام، التِّرمَذیّ"(۱۱) .

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''زَهْـرُ الـخَـمـائـل عـلـی الشَّمائل ''میں اس کے اصل نام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''أما الأصل فهو "الشَّمائلُ النَّبَوِیَّةُ" للإمام أبی عیسیٰ محمد بن سَورة التِّرمَذی''(۱۲).

اسی طرح معاصر محقّق سید ابنِ عباس جلیمی نے "شمائل محمدیہ" کے مقدمہ تحقیق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرت وصفات کے مصادر کا ذکر کرتے ہوئے اس کے اصل نام کی تصریح فرمائی ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"المؤلّفات فی الشّمائل: لقد أُلّف، وصُنِّف فی هذا الباب العديدُ من الكُتُب ما بينَ مَطبُوعٍ، ومَخطُوطٍ، ومفقُودٍ، نذكُرمنها: "الشَّمائلُ النَّبوِيَّةُ والخَصائلُ المُصطَفوِيَّة"، وهو المعروفُ ب"شمائل التِّرمذی"(١٣).

اسی طرح معاصر محقق شیخ محمد عجاج الخطیب نے اپنی کتاب "لمحات فی المكتبةِ والبحثِ والمصادر" میں اس کے اصل نام کی تصریح فرمائی ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"الشَّمائلُ النَّبوِيَّةُ والخصائلُ المُصطَفوِيَّة" لأبی عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سَورة التِّرمذیّ مِن أجمَعِ ما صُنِّفَ فی صِفاتِهٖ ﷺ، وهَدْيِه"(١٤).

سننِ نَسائی کا مکمل نام:

یہ امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شُعیب نَسائی (متوفی ٣٠٣ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ہے، جس کا اصل نام "المُجتبیٰ" ہے، اس کو "السُّنن الصُغریٰ" بھی کہا جاتا ہے، جو کہ دراصل مؤلف رحمہ اللہ کی دوسری کتاب "السنن الکبریٰ" کا اختصار ہے، اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ امام نَسائی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "السنن الکبریٰ" تصنیف فرمائی اور اسے امیر رملہ کے سامنے پیش کیا، تو امیر رملہ نے پوچھا کہ کیا اس میں موجود تمام احادیث صحیح ہیں؟، امام نَسائی رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ "نہیں"، تو اس پر امیر رملہ نے "السنن الکبریٰ" کے اختصار کا مطالبہ کیا، چنانچہ امام نسائی رحمہ اللہ نے "السنن الکبریٰ" کا اختصار کر کے صرف صحیح احادیث کو باقی رکھا اور اپنی اس مختصر کتاب کا نام انہوں نے "المُجتبیٰ" تجویز فرمایا، گویا اپنی معنویت کے اعتبار سے یہ "المُجتبیٰ" من "السُّنن الکُبریٰ" ہے، چنانچہ اس کے متعلق "فِهْرِسَةُ ابن خير الإشبيلی" میں درج ہے:

"المجتبیٰ ...فی السنن المسندة لأبی عبد الرحمن النَسائی، اختَصَرَه من كتابه الكبير المصنف، وذلك أن بعضَ الأُمَراء سأله عن كتابه فی السنن، أكُلُّه صحيحٌ؟ فقال: لا، قال: فاكتُب لنا الصحيحَ منه مجرَّدًا، فصَنَعَ "المجتبیٰ"(١٥).

اسی طرح حافظ ابن الاثیر جزری (متوفی ٦٠٦ھ) رحمہ اللہ "جامع الأصول فی أحاديث الرسول ﷺ" کے مقدمہ میں اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"وسأل بعضُ الأمراء أبا عبد الرحمن عن كتابه "السُّنن"، أكُلُّه صحيحٌ؟ فقال: لا، قال: فَاكتُب لنا الصَّحيحَ منه مُجرَّدًا، فصَنَعَ "المُجتَبیٰ"، فهو: "المُجتبیٰ من السنن"، ترَك كلَّ

حديثٍ أورده فی "السنن" مِمَّا تُکُلِّم فی إسناده بالتعلیل"(١٦).

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) رحمہ اللہ نے "سننِ نسائی" کی شرح ''زھرُ الرُّبی علی المُجتبیٰ'' کے مقدمہ میں اس حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

"قال محمدُ بنُ معاویةَ الأحمر الراوی عن النَّسائی، قال النَّسائیُّ: کتابُ "السُنن" کلُه صحیحٌ، وبعضُه معلُولٌ إلا أنه لمْ یُبیِّن عِلّتَه، والمُنتخَب المُسَمَّی ب"المُجتَبیٰ" صَحیحٌ کلُه".

وذکَر بعضُهم: أن النَّسائیَّ لما صَنَّف ''السنن الکُبریٰ''، أهداه إلی أمیر الرملة، فقال له الأمیرُ: أَکُلُّ ما فی هذا صحیحٌ؟، قال: لا، قال: فجَرِّد الصحیحَ منه، فصَنَّف "المُجتبیٰ"(١٧).

نوٹ: راوی کتاب کی طرف نسبت کرتے ہوئے "سنن کبریٰ" کو"روایتِ ابن الاحمر" اور"سنن صغریٰ"(یعنی''المُجتبیٰ'') کو"روایتِ ابنُ السُنی" بھی کہا جاتا ہے،'' سننِ نَسائی'' کے مشہور شارح شیخ محمد بن علی بن آدم الِاثیوبی (متوفی ۱۴۴۲ھ) رحمہ اللہ نے''ذخیرۃ العُقبیٰ فی شرح المُجتبیٰ'' کے مقدمہ میں تاج الدین سُبکی (متوفی ۷۷۱ھ) رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ان دونوں میں سے کتبِ ستہ میں ''سنن نَسائی صُغریٰ'' (یعنی''المُجتبیٰ'') داخل ہے، نہ کہ'' سننِ نسائی کُبریٰ''، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"وقال القاضی تاج الدین السُبکی: "سُنن النّسائی" التی هی إحدَی الکتب الستة، هی "الصُغریٰ"، لا "الکُبریٰ"(١٨).

حضراتِ محدثین جب مطلقاً"سُننِ نَسائی" کہتے ہیں، تو اس سے''المُجتبیٰ''اور''السُّنن الصُّغریٰ''ہی مراد ہوتی ہے، جوکہ ہمارے ہاں معروف ہے اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب میں داخل ہے۔

شرح معانی الآثار کا مکمل نام:

یہ امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ہے، جوکہ احکامِ فقہ سے متعلق متعارض احادیث کے حل پر مشتمل ہے، اس کا مکمل نام''شرح معانی الآثار المُختلفةِ المرویةِ عن رسول الله ﷺ فی الأحکام'' ہے اور یہ اصل نام کتاب کے مضمون اور مندرجات کی طرف مشعر ہے، یہ مکمل نام خود مصنفِ کتاب رحمہ اللہ کی عبارت میں بھی موجود ہے، چنانچہ وہ''شرح معانی الآثار''میں''کتاب الحجة فی فتح رسول الله ﷺ مکةَ عَنوةً'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"وقد ذكرنا في هذا الباب الآثار التي رواها كلُّ فريقٍ مِمَّن ذهَب إلى ما ذهَبَ إليه أبو حنيفةَ، وأبو يوسفَ رحمهما الله في كتاب البيوع من"شرح معاني الآثار المُختلِفَة المروِية عن رسولِ الله ﷺ في الأحكام"(١٩).

شیخ عبدالفتاح ابوغُدہ (متوفی ۱۴۱۷ھ) رحمہ اللہ نے"ظفَر الأماني" کے حاشیہ میں"شرح معاني الآثار" کے اصل نام کے حوالے سے مفصل کلام فرمایا ہے اور اس بات کی پُر زور تاکید کی ہے کہ جدید طباعت میں مکمل نام ٹائیٹل پر چسپاں کرنا چاہیے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"هكذا شاع اسمُ هذا الكتاب للإمام الطحاويّ رحمہ اللہ "شرح معاني الآثار"، وهو الاسمُ المُثبَتُ على النُّسخةِ المطبوعةِ بالهِندِ، ثم بمِصرَ عنها، وفيه اختصارٌ غَيَّبَ ذكرَ مزيَّةِ هذا الكتابِ في مضمُونه، ومُحتواه، وقد رأيتُ اسمَه تامًّا مشكولًا هكذا:"شرحُ معاني الآثار المُختلِفَةِ المأثُورةِ"، رأيتُه عامَ ١٣٨٣ھ في الجزء الثاني من النسخة ذات الجزأين، المحفوظة في المكتبة المحمودية بالمدينة المنورة، ورَقْمُها فيها١٤١٣ ... والنسخةُ المَخطوطةُ المذكورةُ قرَأَها طائفةٌ من العُلماء الأجِلَّة، مِنهم: أبو حامد أحمد بن الضياء الحنَفِيُّ المكِّيُّ...

وهي نُسخةٌ نظيفةُ الخطِّ، واضِحةُ الضَّبطِ لَعلَّها كُتِبتْ في القرنِ السادِسِ أو قبلَه .وقد أفادَت فائدةً جُليَّ، وهي تحديدُ مَوضوعِ هذا الكتاب من اسمِهِ وعُنوانِه، فإنَّ اسمَه المُثبَتَ على طبعة الهِند، وما بعدَها من الطبعات لا يُشخِّصُ مضمُونَه، ولا يَدُلّ على مزِيَّتِه الغالِيَةِ، أمَّا الاسمُ المذكورُ فهو كاشِفٌ لِما أُلِّف الكتابُ من أجلِه، فيُستفادُ ذلك ويُنشَر، وجاء اسمُ الكتابِ في داخلِه ... في "كتاب الحجة في فتح رسول الله ﷺ مكةَ عَنوةً": هكذا من كلامِ مُؤلِّفِه: "شرْحُ معاني الآثار المُخْتَلِفةِ المَرْوِيَّة عن رسول الله ﷺ في الأحكام"، وهو أتمُّ، ففيه زيادةٌ "في الأحكام" فينَبَغِي إثباتُه على وجْهِ الكتاب عند طبْعِه مِن جديد"(٢١).

واضح رہے کہ مختصر نام کے طور پر ان کتب کو صحیح بخاری، صحیح مسلم، سننِ نَسائی، جامع ترمذی، شمائلِ محمدیہ اور شرح معانی الآثار، یا شرح طحاوی کہنا چاہیے اور ان کو بغیر تاویل کے بخاری، مسلم، نَسائی، ترمذی اور طحاوی وغیرہ کہنا ایسے ہے، جیسے کوئی ملتان میں رہنے والا شخص کتاب تصنیف کرے اور اس کی کتاب کو ملتانی کہا جانے لگے، جبکہ ملتانی شخص (مؤلفِ کتاب) کی نسبت ہے، کتاب کا نام نہیں ہے۔

اسی طرح ہمارے ہاں درسِ نظامی کے عُرف میں بیضاوی، جلالین، سِراجی، حُسامی، قُطبی، جامی، شاشی اورقدوری وغیرہ کے عُنوان سے بھی کتابیں مشہور ہیں، جبکہ یہ مؤلفین کی نسبتیں ہیں، کتابوں کے نام نہیں۔

بیضاوی کا اصل نام:

اس کا اصل نام ''أنوار التنزيل وأسرار التأويل'' ہے(۲۲)، جوکہ علامہ ناصرالدین ابوسعید عبداللہ بن عمر البَیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، مصنف رحمہ اللہ کی نسبت (البَیضاوی) کی وجہ سے کسی نے اسے "بیضاوی" کہہ دیا، تو یہ مشہور ہوگیا، جوکہ اپنی اصل کے اعتبار سے بغیر تاویل کے درست نہیں، مختصر نام کے طور پر اسے "تفسیرِ بَیضاوی" کہنا چاہیے، نہ کہ صرف "بیضاوی"، جوکہ ملکِ فارس کے شہر "بَیضاء" کی طرف مؤلف رحمہ اللہ کی نسبت ہے، کتاب کا نام نہیں۔

جلالین کی درست تعبیر:

اسی طرح درجہ سادسہ میں تفسیر کے موضوع پر داخلِ نصاب کتاب کو "تفسیرِ جلالَین" کہنا چاہیے، نہ کہ صرف "جلالَین"، جوکہ اس کے دو مصنفین (جلال الدین محلی متوفی ۸۶۴ھ رحمہ اللہ اور جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ رحمہ اللہ) کے لقب (جلال الدین) کا مُخفف اور اختصار ہے، کتاب کا نام نہیں۔

سِراجی کا اصل نام:

درسِ نظامی میں میراث کے موضوع پر داخلِ نصاب کتاب کا درست نام ''المُختَصَر في الفرائض'' ہے(۲۳)، جوکہ سراج الدین محمد بن عبدالرشید السجاوندی (متوفی ۶۰۰ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، مصنف رحمہ اللہ کے لقب (سراج الدین) کی وجہ سے کسی نے اسے "سراجی" کہہ دیا، تو یہ روایت چل پڑی، حتی کہ طابعین نے بھی اس کے اصل نام کی تحقیق کی زحمت نہیں اٹھائی اور اسے ''السراجي في الميراث'' کے نام سے شائع کرنا شروع کردیا، جبکہ تحقیق کی رُو سے یہ درست نہیں ہے، بلکہ اسے اصل نام سے ہی شائع کرنا چاہیے۔

حُسامی کا اصل نام:

اس کا درست نام ''المُنتَخَب في أُصول المَذهب'' ہے(۲۴)، یہ حسام الدین محمد بن محمد بن عمر الاَخسیکثی (متوفی ۶۴۴ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، اسے بھی کسی نے مصنف رحمہ اللہ کے لقب (حسام الدین) کی وجہ سے "حسامی" کہہ دیا، تو یہ روایت چل پڑی، جبکہ اس کا درست نام یہ نہیں ہے، بلکہ اس کا درست نام وہی ہے، جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

قُطبی کا اصل نام:

یہ علمِ منطق کی مشہور کتاب ''الرسالة الشمسية '' کی شرح ہے اور اس کا اصل نام ''تحریرُ القواعد المَنْطقِيَّة فی شرْح الرسالة الشمسية ''، جیسا کہ خود مصنفِ کتاب شیخ قُطب الدین محمود بن محمد الرازی (متوفی ۷۶۵ھ) رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے (۲۵)۔

اس کتاب کو بھی مصنف رحمہ اللہ کے لقب (قطب الدین) کی وجہ سے کسی نے "قطبی" کہہ دیا، تو یہ مشہور ہوگیا، جبکہ یہ اس کا اصل نام نہیں ہے۔

شرح مُلا جامی کا اصل نام:

اس کا درست نام ''الفوائدُ الضِّیائِیةُ علی متْن الکافیة '' ہے (۲۶)، جو کہ مشہور نحوی ابن الحاجب (متوفی ۶۴۶ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ''الکافیة'' کی شرح ہے اور یہ شرح مُلا نورالدین عبدالرحمٰن بن احمد الجامی (متوفی ۸۹۸ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف کردہ ہے، اس کتاب کو مصنف رحمہ اللہ کی نسبت (الجامی) کی وجہ سے "جامی" کہہ دیا جاتا ہے، مگر یہ درست نہیں ہے، البتہ! اس کتاب کو مختصر نام کے طور پر "شرح مُلا جامی" کہا جاسکتا ہے۔

اصولِ شاشی کا اصل نام:

اس کا اصل نام ''الخمسین فی أصول الفقہ'' ہے (۲۷) اور یہ نظام الدین الشاشی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے جو کہ غالب رجحان کے مطابق چھٹی یا ساتویں صدی ہجری کے علماء میں سے تھے، بالتعیین ان کی تاریخِ وفات معلوم نہیں ہوسکی، باقی ان کی وفات کے بارے میں ۳۴۴ھ کا مشہور قول اس وجہ سے درست نہیں ہے کہ اس کتاب میں ایسے علماء کے حوالہ جات موجود ہیں کہ جو ۳۴۴ھ سے بعد کے ہیں اور اس کتاب کے مذکورہ نام رکھنے کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ مصنف رحمہ اللہ نے اس میں پچاس اُصولِ فقہ درج فرمائے ہیں، یا مصنف رحمہ اللہ نے پچاس سال کی عمر میں یہ کتاب تصنیف فرمائی تھی، اسے مختصر نام کے طور پر "اُصولِ شاشی" کہنا چاہیے، اسے "شاشی" کہنا درست نہیں۔

مختصر القدوری کا اصل نام:

یہ ابوالحسین احمد بن محمد القدوری (متوفی ۴۲۸ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، مشہور مفہرس حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۷) رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''کشف الظُّنُون عن أسامی الکتُب والفُنون ''میں اس کا نام ''المُختصر فی فروع الحنفية'' لکھا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"المُختصر فی فروع الحنفية" للإمام أبی الحسین أحمد بن محمد القدوری،

البغدادی، الحنفی"(۲۸)۔

شیخ علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی (متوفی ۵۴۰ھ) رحمہ اللہ نے اپنی کتاب"تحفة الفقهاء" میں اور شیخ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب"الهداية فی شرح بداية المبتدی" میں اس کا نام صرف"المختصر" ذکر فرمایا ہے(۲۹)۔

نیز امام قدوری رحمہ اللہ کی"المختصر" چونکہ اُمہات المسائل پر مشتمل ہے، اس وجہ سے یہ اہلِ علم کے ہاں"الکتاب" کے نام سے بھی مشہور ہے، چنانچہ شیخ ابوسعد الیزدی (متوفی ۵۹۱ھ) رحمہ اللہ اور شیخ عبدالغنی المیدانی (متوفی ۱۲۹۸ھ) رحمہ اللہ نے اسی اعتبار سے "مختصر القدوری" پر اپنی شرح کا نام"اللباب فی شرح الکتاب" رکھا ہے اور بعض مرتبہ اسے"المختصر فی الفقه الحنفی" بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

مختصر نام کے طور پر اسے "مختصر القدوری" کہنا چاہیے، نہ کہ صرف "قدوری" کہ اس سے مؤلف کی ذات مراد ہے۔

اسی طرح درسِ نظامی کی بعض کتب کی نسبت میں بھی تسامح پایا جاتا ہے کہ ان کے متعلق طلبہ درسِ نظامی کے عمومی حلقوں میں حقیقت سے ہٹ کر تاثر قائم ہے، چنانچہ:

(۱)......درجہ سابعہ کی نصابی کتب کے حوالے سے یہ بات تواتر کی حد تک مشہور ہے کہ اس کلاس میں اُصولِ حدیث کے موضوع پر"نُخبَة الفِکر" داخلِ نصاب ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ درجہ سابعہ میں اُصولِ حدیث کو موضوع پر داخلِ نصاب کتاب کا نام"نُزهَة النَّظَر" ہے، جو کہ"نُخبَة الفِکر" کی شرح ہے اور"نُخبَة الفِکر" خود تو دو تین اوراق پر مشتمل ایک مختصر سا متن ہے۔

درجہ سابعہ میں داخلِ نصاب اس کتاب کا پورا نام" نُزهَة النَّظَرِ فی تَوضِیحِ نُخبَة الفِکر فی مُصطلَحِ أهلِ الأثَر" ہے، اسے "نخبۃُ الفکر" یا "نخبہ" کہنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ! مختصر نام کے طور پر اگر اسے" شرحُ النُّخبة" کہا جائے، تو یہ کسی حد تک درست ہے۔

(۲)......اسی طرح درجہ سادسہ میں حدیث کے موضوع پر داخلِ نصاب کتاب "مسندِ امام اعظم" کے بارے میں عام تاثر یہی ہے کہ اسے امام اعظم ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف سمجھا جاتا ہے، جبکہ یہ تاثر درست نہیں؛ اس لیے کہ "مسندِ امامِ اعظم" نہ تو خود امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اپنی تصنیف نہیں ہے اور نہ ہی بطورِ روایت آپ کے کسی شاگرد کی مرتب کردہ کتاب ہے، بلکہ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وفات سے بہت بعد میں حافظ عبداللہ حارثی (متوفی ۳۴۰ھ) رحمہ اللہ کی تصنیف کردہ "مسندِ اَبی حنیفہ" کے اختصار کی فقہی تبویب ہے کہ حافظ

عبداللہ حارثی رحمہ اللہ کی "مسندِ اَبی حنیفہ" کا قاضی صدرالدین حصکفی (متوفی ۶۵۰ھ) رحمہ اللہ نے تقریباً ایک ثلث حُجم میں اختصار لکھا، جسے تیرھویں صدی ہجری کے مشہور محدث اور حنفی فقیہ مُلا محمد عابد سندھی (متوفی ۱۲۵۷ھ) رحمہ اللہ نے فقہی ابواب پر مرتب کیا تھا اور آج یہی فقہی تبویب "درسِ نظامی" میں داخلِ نصاب ہے اور ہمارے ہاں تمام مدارسِ دینیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔

(۳)......اسی طرح اُصول فقہ کے موضوع پر منتہی درجے کی کتاب "توضیح تلویح" ہے کہ اس نام کے مشہور سیاق سے تاثر ملتا ہے کہ شاید یہ کتاب "تلویح" کی توضیح اور اس کی شرح ہے اور "تلویح" اس کا متن ہے، حالانکہ ایسا نہیں اور کتاب کی تسمیہ کا یہ سیاق اپنی اصل کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔

اس کی درست تسمیہ کا قصہ یہ ہے کہ مشہور حنفی فقیہ صدرالشریعہ الاصغر (متوفی ۷۴۷ھ) رحمہ اللہ نے اولاً ''تَنقِیحُ الأصول ''(۳۰) نامی کتاب تصنیف فرمائی، جس کی پھر خود ہی انہوں نے ''التَّوضِیحُ فی حلِّ غوامِض التَّنقِیح ''(۳۱) کے نام سے شرح لکھی، پھر اس شرح پر علامہ سعدالدین تفتازانی (متوفی ۷۹۳ھ) رحمہ اللہ نے ''التَّلوِیحُ إلی کَشفِ حَقائقِ التنقیح ''(۳۲) کے نام سے حاشیہ لکھا اور مقاصدِ کتاب کو خوب منقح کر کے پیش کیا۔ اسے مختصر نام کے طور پر ''التلویح علی التوضیح '' یا حرفِ جار کو حذف کر کے ''تلویح توضیح '' کہا جاسکتا ہے......والله تعالی أعلم بالصواب

حوالہ جات

(١) "الفِهْرِسَةُ" لأبی بکر محمد بن خیر الإشبیلی، ص: ٨٢، ت: محمد فؤاد منصور، ط:دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

(٢) "معرفةُ أنواع علم الحدیث"، معرفةُ الصحیح من الحدیث، ص: ٩٤، ت: ماهر یاسین الفحل، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

(٣) "تهذیب الأسماء واللغات" للنَّوَوِیِّ: ٧٣/١، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

(٤) "عمدة القاری بشرح صحیح البخاری" لبدر الدین العَینِیِّ: ٥/١، ط: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

(٥) "فِهْرِسَةُ ابن خیر الإشبیلی"، ص: ٨٥، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

(٦) "تحقیقُ اسمَیِ الصحیحَین واسمِ جامع التِّرمَذی" للشیخ عبد الفتاح أبو غدة، ص: ٣٨، ط: مَکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب، شام.

(۷) ”تحقيقُ اسمَيِ الصحِيحَين واسمِ جامع التِّرمَذی“ للشيخ عبد الفتاح أبو غدة، ص: ۳۳، ط: مَكتب المطبوعات الإسلامية، حلب.
(۸) ”فِهْرِسَةُ ابن خير الإشبيلی“، ص: ۹۸، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.
(۹) دیکھیے: ”تحقيق اسمَيِ الصحِيحَين واسمِ جامع التِّرمَذی“، ص: ۵۳، ط: مَكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، شام.
(۱۰) دیکھیے: ”تحقيق اسمَيِ الصحِيحَين واسمِ جامع التِّرمَذی“، ص: ۵۸، ط: مَكتب المطبوعات الإسلامية، حلب.
(۱۱) ”كشُف الظُّنون عن أسامی الكتُب والفُنون“ لحاجی خليفة: ۱۰۶۹/۲، ط: دار إحياء التراث العربی، بيروت، لبنان.
(۱۲) ”زهرُ الخَمائل على الشمائل“ لجلال الدين السُّيُوطیِّ، ص: 4، ط: مكتبة القرآن، بيروت، لبنان.
(۱۳) ”الشَّمائلُ النَّبَوِيَّةُ والخَصائلُ المُصطَفَوِيَّة“، مقدمة التحقيق لابن عباس الجليمی، ص: ۹، ط: مكتبة التجارية، مكة المكرمة.
(۱٤) ”لمحات فی المكتبة والبحث والمصادر“ للدكتور محمد عجّاج الخطيب، ص: ۲۲۹، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان.
(۱۵) ”فِهْرِسَةُ ابن خير الإشبيلی“، ص: ۹۷، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.
(۱٦) ”جامع الأصول فی أحاديث الرسولﷺ“ لابن الأثير الجزری: ۱۹۷/۱، ت: عبد القادر الأرنؤوط، ط: دار الفكر، بيروت، لبنان.
(۱۷) ”زهرُ الربی على المجتبی“ للسيوطی: ۵/۱، ط: دار الفكر، بيروت، لبنان.
(۱۸) ”ذخيرة العُقبیٰ فی شرح المُجتبیٰ“ لمحمد بن آدم الإثيوبی: ۲۷/۱، ط: دار المعراج الدولية للنشر، الرياض، السعودية.
(۱۹) ”شرح معانی الآثار المُختلِفة المروية عن رسول الله ﷺ فی الأحكام“ للطحاوی: ۳۱۸/۳، ت: يوسف المرعشلی، ط: عالم الكتب.
(۲۰) ”ظفر الأمانی بشرح مختصَر السيد الشريف الجُرجانی“ للكنوی، ص: ۲۵، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية.

(٢١) خُطبة المؤلِّف: ٦/١، ت: محمد صحيى حسن حلَّاق، ط: دار الرشيد، بيروت، و"كشُف الظُّنون عن أسامى الكتُب والفُنون" لحاجى خليفة: ٨٦١/١، ط: دار إحياء التراث العربى، بيروت، لبنان.
(٢٢) "الجواهر المضية فى طبقات الحنفية" لمحيى الدين عبد القادر القرشى: ١١٩/٢، ط: مير محمد كتب خانه، كراتشى، و"طبقات الحنفية" لعلى الحنائى، ص: ١٦٦، ط: مركز العلماء للدراسات وتقنية المعلومات.
(٢٣) "مُعجَم المؤلفين" لعمر رضا كَحالة الدِمَشقى: ٢٨/٤، ط: دار إحياء التراث العربى، بيروت، و"المدخل إلى الفقه الإسلامى وأصوله" للدكتور صلاح محمد أبو الحاج، ص: ٣٧٥، ط: جامعة آل البيت.
(٢٤) "تحريرُ القواعِدِ المَنطِقِيَّةِ فى شرْح الرسالة الشمسية" لقطب الدين الرازى، ص: ٢١، ط: البشرى، كراتشى.
(٢٥) "كشُف الظُّنون عن أسامى الكتُب والفُنون" لحاجى خليفة: ١٣٧٠/٢، ط: دار إحياء التراث العربى، بيروت، لبنان.
(٢٦) "المدخل إلى دراسة المذاهب الفقهية" لعلى جعمة محمد عبد الوهاب، ص: ١١٤، ط: دار السلام، القاهرة.
(٢٧) "كشُف الظُّنون عن أسامى الكتُب والفُنون" لحاجى خليفة: ١٦٣١/٢ ط: دار إحياء التراث العربى، بيروت، لبنان.
(٢٨) "تحفة الفقهاء" للسمرقندى: ٥/١، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، و"الهِداية فى شرح البداية" للمرغينانى: ٥٥/١، ط: دار إحياء التراث العربى، بيروت.
(٢٩) "التوضيح مع التلويح"، ص: ٦، ط: قديمى كتب خانه، كراتشى، باكستان.
(٣٠) "التوضيح مع التلويح"، ص: ٨، ط: قديمى كتب خانه، كراتشى، باكستان.
(٣١) "التوضيح مع التلويح"، ص: ١٣، ط: قديمى كتب خانه، كراتشى، باكستان.

تدریب المعلمین پروگرام

برائے ضلع دیراپر، دیرلوئر، باجوڑ

جمع وترتیب: مولانا راحت اللہ مدنی

مسؤل وفاق المدارس دیر بالا و پائین (تحفیظ)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی نظم کے ہدایات کے مطابق وفاق المدارس العربیہ ضلع دیر کے زیرِ انتظام 02 اکتوبر 2023، بروزِ پیر صبح ساڑھے آٹھ تا ساڑھے چار بجے، مدرسہ کاشف العلوم شیکول تیمر گرہ میں ایک عظیم الشان تدریب المعلمین پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں صوبائی قائدین وفاق المدارس اور دیگر جید علماء کرام نے خصوصی شرکت کی۔ تقریب میں شرکت کے لئے ضلع دیر وملحقہ علاقہ جات کے تمام دینی مدارس کے معلمین و مدرسین کو دعوت دی گئی اور ان کو شرکت کا باضابطہ کارڈ جاری کیا گیا. شعبہ کتب (بنین) کے 140 مدارس سے ٹوٹل 372 مدرسین نے اس تدریب میں شرکت کی۔ تقریب انتہائی منظم اور پرسکون ماحول میں منعقد ہوئی اور مدارس و مدرسین کے وسیع تر مفاد میں منعقد ہونے والی اس تقریب سے بیش بہا نتائج وثمرات دیکھنے کو ملے۔

تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا اور فضیلۃ الشیخ جناب قاری فضل حق صاحب (جو دیر کے نامور قرآء میں سے ہیں) نے مسحور کن آواز میں تلاوت کلام پاک سے تقریب کا آغاز کیا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد نعتیہ کلام کے لیے جناب حافظ محمد عباس کو سٹیج پر دعوت دی گئی اور مختصر نعتیہ کلام پیش کیا۔ نعتیہ کلام کے بعد طے شدہ شیڈول کے مطابق تمام مقررین نے اپنے موضوعات پر سیر حاصل بحث کی . ناظم وفاق المدارس العربیہ خیبر پختونخوا حضرت مولانا حسین احمد صاحب، جو مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے، نے خواص کے اجتماع سے فکر انگیز خطاب فرمایا۔ ناظم صاحب سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اس ماحول کو دیکھ رہے تھے جس پر انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ روح پرور منظر دیکھ کر دل باغ باغ ہوا۔ مولانا حسین احمد صاحب نے مولانا ذاکراللہ (مسؤل باجوڑ) مفتی شمس الامین (مسؤل لوئر دیر کتب) مولانا راحت اللہ مدنی (مسؤل دیراپر، دیرلوئر برائے تحفیظ) اور مولانا فیاض احمد (مسؤل اپر دیر کتب) سمیت جملہ ذمہ داران کو کامیاب پروگرام پر مبارکباد اور خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے کوششوں کو سراہا۔ حضرت مولانا ذاکراللہ مہتمم مدرسہ ہذا، ناظم تعلیمات مولانا حذیفہ صاحب اور اس مدرسہ کے نظماء کا بھی شکریہ ادا کیا اور ان کے بہترین انتظامات کو شاندار الفاظ میں داد وتحسین سے نوازا۔

تدریب المعلمین کا مقصد:

مولانا حسین احمد صاحب نے ''تدریب المعلمین'' کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"تدریب المعلمین کا مقصد یہ ہے کہ ماہرینِ فن یہ بتائیں کہ کس فن سے کس قدر کس طرح استفادہ کیا جائے؟ یہ جاننا انتہائی ضروری ہے۔ مجلس میں نوجوان علمائے کرام کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی، اور میرے مخاطب بھی یہی نوجوان علمائے کرام ہوں گے۔ مدارس ومساجد میں ہونے پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکرادا کریں کم ہے۔ مدارس ومساجد میں بیٹھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم دین کی خدمت کر کے اپنی بخشش اللہ تعالیٰ سے کروا کر جنت میں داخل ہو جائیں۔ ہم چونکہ کمزور ہیں اس لیے بار بار تجدیدِ نیت کے لیے اپنے دل کا جائزہ لیں۔

اساتذہ کی ذمہ داریاں:

منصبِ تدریس منصبِ رسالت ہے، اس لئے اس پر شکرادا کرنا چاہیے۔ میں دورہ حدیث کے طلبہ سے کہتا ہوں کہ تدریس سے تعلق قائم رکھیں اور امامت کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ ہماری تعلیم ایسی ہو کہ ہمارے لیے بھی مفید ہو اور طالب علم کے لیے بھی اور طالب علم کے لیے اس وقت مفید ہوگی جب استاد خوب مطالعہ کرے۔ مدارس کا المیہ یہ ہے کہ ہر کتاب کی دس دس اردو شروحات ہیں جو استعداد کے لیے انتہائی مہلک ہیں۔ استاد استعداد بنانے کے لیے تدریس کے پہلے دس سال خوب محنت کرے۔ پڑھانے سے پہلے نفسِ عبارت، پھر بین السطور، پھر حاشیہ، پھر عربی شرح، اور آخر میں اُردو شروحات کی طرف رجوع ہو۔

کتابوں پر لگے حواشی ماہرینِ فن کے لکھے ہوتے ہیں ان سے استفادہ کیجئے۔ جو بھی علمی بحث پڑھانی ہو وہ پہلے اوپر کے درجے کی کتابوں میں پھر نچلے درجات کی کتابوں میں مطالعہ کی جائے تو شرح صدر ہوگا۔ مطالعہ خوب، اچھا اور زیادہ کیا جائے لیکن طلبہ کے سامنے منتخبات رکھے جائے۔ خیبر پختونخوا کے اساتذہ کا المیہ یہ ہے کہ ان کے پیشِ نظر طالب علم نہیں ہوتا بلکہ اپنا رَٹّا سنانا ہوتا ہے...... **کلموا الناس علی قدر عقولهم** ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ **"لا تؤتوا السفهاء أموالهم"**، لہٰذا جب مال دینا جائز نہیں تو علم بطریقہ اَولیٰ دینا جائز نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **"حدثوا الناس بما يعرفون، اتريدون أن يكذَّبَ الله ورسوله"**۔ لہٰذا طالب علم کو اتنا دیا کریں جتنا اس کی فہم کتاب کے لیے کافی ہو۔ صرف کتاب نہیں بلکہ فن کا مطالعہ کریں۔ مدارس میں سبق کے ساتھ تکرار ومطالعے کا انتظام ہو۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جو طالبِ علم مجھے تین چیزوں کی ضمانت دے گا میں اسے بہترین عالم ہونے کی ضمانت دوں گا: نئے سبق کا مطالعہ، پھر اس کو استاد سے غور سے سننا، اور پھر اس کا

تکرار کرنا۔اذاتکرر تقرر...... کثرتِ تکرار جَودتِ تدریس کا ضامن ہے۔استاد اس حرص کے ساتھ درسگاہ جائے کہ جو کچھ مجھے سمجھ آیا ہے وہ طالب علم کو بھی سمجھ آجائے۔خود سمجھنے کے بعد اور پڑھانے سے پہلے آسان فہم تعبیرات کا انتخاب کریں۔اساتذہ کا آپس میں قدر واحترام والا رشتہ ہو؛ کیونکہ بے برکتی اور بے احترامی سے برکت ختم ہوجاتی ہے۔اگر کسی استاد کا احترام دل میں نہ ہو تو پھر بھی طلبہ کے سامنے اس کا نام احترام سے لیا جائے۔طلبائے کرام کو بچوں اور بھائیوں کی نظر سے دیکھا کریں۔شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مدارس میں دو امانتیں ہوا کرتی ہیں: مال، اور لوگوں کے بچے......دونوں کی حفاظت ضروری ہے۔

موجودہ دور کی اہم کمزوری کی نشاندہی کرتے ہوئے ہوئے فرمایا کہ:

کوئی ناجائز کام علماء کے کرنے سے حلال نہیں ہوتا، ویڈیوز اور تصاویر نے ہماری مجالس کی برکات ختم کردی ہے۔

صوبائی ناظم مولانا حسین احمد صاحب کے بیان کے بعد شیخ الادب والمنطق مولانا سجاد حجابی صاحب زیدمجدہ نے تقریب سے تفصیلی خطاب کیا اور منطق، علم الکلام اور ادب کے متعلق تفصیلی گذارشات پیش کیں، شیخ سجاد حجابی صاحب نے فرمایا:

’’اس خوبصورت مجلس (تدریب المعلمین ضلع دیر وباجوڑ) میں شرکت اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں۔عوام کے سامنے بات کرنا آسان جبکہ علمائے کرام کے سامنے مشکل ہوتا ہے۔ ہمارے گاؤں میں ایک گھرانہ ہے، جس کے افراد کے نام انبیائے کرام کے نام رکھے گئے ہیں، مثلاً موسیٰ،عیسیٰ، آدم وغیرہ کسی دن ان کو ایک مقدمہ میں تھانہ جانا پڑا، تھانے دار نے نام پوچھے تو ایک نے کہا موسیٰ، دوسرے نے عیسیٰ اور تیسرے نے آدم، جس پر تھانے دار نے سپاہی کو مخاطب کرکے کہا کہ آپ تو سارے انبیاء کو لے کر آئے ہیں۔

تو میں کہتا ہوں کہ آپ سب بڑے لوگ ہیں، آپ کے سامنے بات کرنا مشکل ہوتا ہے۔اور مجھے علم الیقین ہے کہ اس مجلس (تدریب المعلمین) میں ہر شریک مجھ سے علم وتقوی میں بڑھ کر ہے، لیکن مشہور مقولہ "الأَمْـرُ فَـوْقَ الْأَدَبِ کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ بات کروں گا۔ مجھے تین موضوعات پر بات کرنے کا کہا گیا ہے: علم الادب، علم المنطق اور علم الکلام۔

معلم (استاد) کا تعلق شاگرد سے بالکل ایسا ہی ہو جس طرح اس کا اپنے بچے سے ہوتا ہے، اور جس دن ان دونوں میں فرق کرے گا تو وہ کامل نہیں کہلائے گا۔زندگی میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور مارتونگ بابا کے جس شاگرد سے بھی ملا ہوں تو ان کو اپنے ان اساتذہ کے تذکرے کے وقت بلک بلک کر روتے دیکھا ہے۔پڑھانے والے اساتذہ کو پڑھائی جانے والی کتاب پر "حیلہ " (کامل) عبور ہو۔

طریقہ تدریس:

حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مطالعہ تین قسم کا ہے: برائے فہم، برائے تفہیم، اور برائے احسن تفہیم۔

ہمارے ہاں ایک عالم فرمایا کرتے تھے کہ استاد پر دو حق ہیں: حق طالب اور حقِ کتاب۔

اگر آپ حقِ تدریس ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے ساتھ دنیا کا کوئی اور کام کاج ہو ہی نہیں سکتا۔ علامہ افغانی رحمہ اللہ کسی غمی خوشی میں شریک نہیں ہوتے تھے (تاکہ حقِ تدریس ادا ہو سکے)۔

اردو شروحات سے اجتناب کریں۔ شرح جامی کے لئے محرم آفندی (عربی شرح) کا مطالعہ کریں۔ میں تدریس کے ابتدائی سالوں میں ایک دن کسی مصروفیت کی بناء پر گھر تاخیر سے پہنچا تو عربی شرح کا مطالعہ نہیں کر سکا، بلکہ جلدی میں اردو شرح کا مطالعہ کر کے صبح پڑھانے کے لئے کلاس چلا گیا، جب سبق پڑھایا تو ایک شاگرد نے کہا استاد جی! میں نے کل رات "شرح نبراس" کا مطالعہ کیا تھا اس نے الگ طریقے سے حل کیا ہے۔ جب میں گھر آیا تو پہلے اپنے کو برا بھلا کہا، پھر عربی شرح کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلا کہ اردو شرح نے اس مقام کو غلط حل کیا ہے، پھر اگلے دن اس طالب عالم کی بات کو میں نے کلاس میں درست قرار دیا۔ (تو یہ تھا اردو شرح کا نقصان)۔

طالب علم کی حیثیت کے مطابق بات کیا کریں۔ مختصر القدوری کے لئے عربی شرح "اللباب" جو چھ جلدوں میں ہے، اس کا مطالعہ کیا کریں، اس میں اختلافات نہیں ہیں۔ جس نے عربی ادب سیکھا تو اس کے لئے ہر فن آسان ہو گا۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے پہلے ادب عربی کو مضبوط کریں، پھر خواہ متکلم بنیں، یا مفسر وفقیہ۔ علم ادب کا ایک ضروری جزء "لغت" ہے، اور لغت کا مطلب یہ ہے کہ قوامیس ومعاجم پر عبور ہو۔ معاجم میں بہترین معجم "الصحاح" ہے، جس میں چالیس ہزار لغات ہیں۔ علامہ بنوری "تاج العروس" کی طرف رہنمائی فرمایا کرتے تھے، اور علامہ شیر علی شاہ صاحب "الصحاح" کے مطالعہ کا فرمایا کرتے تھے، جبکہ شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب کے مطابق اُن کے استاذ مفتی ولی حسن ٹونکی اُن کو "فقہ اللغۃ" مطالعہ کرنے کا حکم دیتے تھے۔ ادب کی کتابوں میں علامہ سیوطی کی "المظہر فی علوم اللغۃ" بہت بہترین کتاب ہے۔ الفاظ کی تصحیح (لہجہ) سے بھی استاد کے ادب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، درس نظامی میں موجود کتب ادب، عربی ادب کے لئے کافی ہیں، البتہ پڑھانے والے استاد کا ماہر ہونا ضروری ہے۔ معلم الانشاء کے استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ طالب علم کو عربی سے اردو اور اسے عربی کے ترجمے کا سلیقہ سکھائے۔ مدارس کا المیہ یہ ہے کہ معلم الانشاء کو وقت نہیں دیتے ہیں۔ نفحۃ العرب کے حل کرنے کے لئے طالب علم کو معجم الوسیط دیا جائے۔ علامہ اعزاز علیؒ نے نفحۃ العرب کے حاشیہ میں جس کتاب سے جو عبارت اقتباس کیا

ہے اس کا حوالہ بھی ساتھ دیتے ہیں، لہٰذا طالب علم کو اس کتاب کا نام اور مختصر تعارف بھی بتائیں، طالب علم خود اس کتاب کی طرف جائے گا، جس سے وہ طالب علم بھی ''مولانا اعزاز علی'' بنے گا۔ طالب علم کو اس سے بچائیں۔ درس نظامی کا بنیادی مقصد صلاحیت بنانا ہے۔ (پھر طالب علم اس صلاحیت سے مشکل کتاب حل کرنے پر قادر ہوگا)۔

علم ادب:

ادب (نثر) کی دو قسمیں ہیں: ادب مسجّع اور ادب مسترسل۔ اور دونوں قسم کے ادب احادیث میں موجود ہے، چنانچہ ادب مسجع حدیث اُمّ زرع میں، جبکہ ادب مسترسل حدیث افک میں موجود ہے۔ مقامات حریری میں جو ادب ہے وہ ادب مسجّع ہے۔

یہ بہت افسوس کی بات یہ ہے کہ دورہ حدیث کا طالب علم بھی عربی میں تکلم نہیں کرسکتا۔ عربی میں پرچہ حل کرنا لازم کریں۔ (کم ازکم) ہفتے میں ایک دن عربی میں پڑھائیں۔ ہمارے بڑے بزرگ اور گراں قدر استاد حضرت مولانا مغفور اللہ باباجی چند سال پہلے شاہ منصور تفسیر پڑھنے کے لئے آئے تھے۔ (تو یہ ہے ایک عالم کی عاجزی اور انکساری، ہم ایسا بنا چاہیے)۔: جدید ادباء کا بھی آپ کو علم ہونا چاہئے۔ مثلاً علی طنطاوی، ابوالحسن علی ندوی، علامہ زاہد الکوثری، علامہ عبدالفتاح ابوغدہ۔ طلبہ کے سامنے منہ بنا کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ کبھی کبھار دل لگی کی باتیں اور ہنسی مذاق بھی ہونی چاہئے۔

علم المنطق:

علم منطق کے بارے میں علامہ سیوطی فرماتے ہیں جو آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ:"المنطق کالسلاح، یأخذہ رَجلٌ، فَیُجَاھِدُ بہ فی سبیلِ اللہِ، وَیَأْخُذُہُ آخَرُ، فَیَقْطَعُ بہ الطریق "۔(احقر کو علامہ سیوطی کا ایک قول منطق کی مذمت میں بھی ملا:"فَـنَّ الْـمَنطِقِ فَنَّ خَبیث مذموم، یحرمُ الاشتغال بہ یَجُرُّ إلی الفلسفۃ والـزندقۃ "۔(روحانی ابن اسعد)۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی بنیاد منطق اور معقول پر ہے "۔ اور یہ بات نفس الامر میں درست بھی ہے؛ کیونکہ دہریہ کو آپ معقولات سے ہی مطمئن کرسکتے ہیں۔ اگر آپ دہریہ سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کہتا ہے تو وہ کہے کہ گا کہ آپ پہلے اللہ کو تو ثابت کرو، پھر ہم اس کی بات کو مان لیں گے۔ اُس وقت آپ کو معقول اور منطق کی ضرورت پیش آئے گی۔

ڈنمارک میں میرا ایک دوست ہے، وہ کہتا ہے کہ یہاں پاکستان سے زیادہ ڈنمارک میں منطق اور معقولات کی ضرورت ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آج کل قدیم فرقے موجود نہیں ہیں، لیکن لاہور کی ایک جگہ میں نے علم کلام کا دورہ

پڑھایا تو اس کے بعد مجھ سے بنوری ٹاؤن کا ایک متخصص فی الحدیث ملا، اور کہنے لگا کہ میرا بھائی فرقہ "لا ادری" سے ہے، آپ کے دورے سے مجھے بہت فائدہ ہوا، میں ان شاء اللہ اس کو مطمئن کرلوں گا۔ کافر اور ملحد سے اسلام کا دفاع منطق اور معقول کے ذریعے کیا گیا ہے۔ معقولات شوق سے پڑھنا چاہئے۔ ایک شخص نے حضرت تھانویؒ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ: "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ اب اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین نیک لوگوں کو ملے گی، جبکہ حقیقت اس سے مختلف ہے؟ تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ اس اصل میں یہاں "قضیہ مطلقہ دائمہ" نہیں، بلکہ "قضیہ مطلقہ عامہ" ہے، جس میں محمول کا موضوع کے لئے "فی وقت ما ثابت ہونا ضروری ہوتا ہے، اور زمین سلیمان علیہ السلام کے دور میں نیک لوگوں کو ملی تھی۔ (اب منطق نے اس مسئلہ کو کتنے بہترین انداز میں آسانی سے حل کیا)۔

علم معقول فرض کفایہ کے درجے میں ہے۔ درس نظامی میں موجود تمام کتابیں بہترین ہیں، البتہ معقولات کی کتابیں بے مثال ہیں۔ معقولات کی کتب زیادہ محنت سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ طلبہ کے سامنے علم منطق کے متن اور حاشیہ کی اہمیت بیان کریں، پھر زیادہ رغبت سے پڑھیں گے۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو شمس بازغہ، صدریٰ اور سلم العلوم از بر تھی۔ شرح تہذیب کی حیثیت علم منطق میں ریڑھ کی ہڈی کی ہے۔ اب زمانہ دوبارہ معقولات کی طرف آرہا ہے۔ منطق چونکہ عقلی علم ہے اس لئے آج کل کے حساب سے مثالیں دیا کریں۔ علم منطق سے استغناء نہیں ہونا چاہیے، اس کا فائدہ طالب علم اور استاد دونوں کو ہوتا ہے۔ ہر کتاب کا مزاج الگ ہوتا ہے، بعض کتابوں کے شروع دن سے دو صفحے پڑھانے پڑتے ہیں، اور بعض کو شروع دن صرف ایک لائن پڑھانی پڑتی ہے۔ لہٰذا اس کا خیال رکھا کریں۔ طالب علم کے ساتھ محنت کریں، ورنہ فراغت کے بعد "ضال اور مضل" کے فتوے لگائے گا۔ آپ کی کوئی تعریف نہ کرے، لیکن آپ کا طالب علم آپ سے مطمئن ہو، اور آپ کے سبق کو سمجھ جائے، اور بعد میں آپ کو دعائیں دے۔

سابقہ سینئر شیخ القرآن **مولانا عبد الرشید صاحب** نے خطاب کرتے ہوئے تفسیر و علومِ تفسیر کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا:

ان مجالس کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ ہم طلبہ کو کیسے پڑھائیں گے۔ ہم تقسیمِ فنون کا شکار ہیں، اس لئے مجھے تفسیر کے متعلق بات کرنے کا موضوع دیا گیا ہے اگرچہ میں خود غیر مدرّب ہوں۔

درس تفسیر:

میں تفسیر سے متعلق چار باتیں کروں گا:

(۱)اہمیت تفسیر،(۲) تاریخ ارتقاءِ تفسیر،(۳)انواع واقسام تفسیر،(۴)طریقہ تعلیمِ تفسیر۔

تفسیر کی اہمیت:

اول: اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پوری انسانیت کے تمام علوم تفسیر کے خادم ہیں۔

تفسیر کی ضرورت چار بنیادی مقامات پر ہے:

اخذ من القرآن کے لیے فہم کی ضرورت ہے اور فہم بغیر تفسیر کے ممکن نہیں۔زندگی کے ہر شعبہ میں تفسیر کی ضرورت ہے؛ کیونکہ قرآن کی تین خصوصیات ہیں:

جامعیت،ابدیت اور عالمگیریت......لہٰذا زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی ضرورت ہے۔

اصلاحِ انسان قوتِ نظری وعملی میں مضمر ہے،اوران دونوں چیزوں کی اصلاح بغیر فہم قرآن کے ممکن نہیں۔

قوانین مملکت کے لیے فہم قرآن کی ضرورت ہے۔

تفسیر اوراس کے ارتقاء کے چار مراحل:

اپنی بشری استعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مراد کو واضح کرنا۔

پہلا مرحلہ: جبرئیل علیہ السلام اور نبی علیہ السلام کے درمیان۔

دوسرا مرحلہ: نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام کے درمیان جو حل مشکلات القرآن کے لیے ہو۔

تیسرا مرحلہ: صحابہ کرام اور تابعین کے درمیان۔

چوتھا مرحلہ: تیسری صدی کے بعد باقی علوم کی تدوین کے ساتھ تفسیر کی تدوین،جس میں پہلی تفسیر علامہ طبری نے لکھی تفسیر طبری۔۔۔اوراس کے بعد آج تک مسلسل تفسیر کا ارتقائی سفر جاری ہے۔

انواع واقسام التفسیر: التفسیر بالنقل،التفسیر بالعقل،التفسیر باللغۃ

تفسیر بالنقل کی تین قسمیں ہیں: تفسیر القرآن بالقرآن۔تفسیر القرآن بالسنۃ۔تفسیر القران باقوال الصحابہ۔

تفسیر بالعقل یا بالرائ کی دو قسمیں ہیں: ممدوح،یعنی وہ تفسیر جس میں شرائط ہوں:

وہاں سمع ونقل نہ ہو۔سمع ونقل کا معارض نہ ہو۔مجبوری کے اساس پر ہو،خواہش کے اساس پر نہ ہو۔علومِ تفسیر پر کامل دسترس ہو۔

دوم: اگر یہ چار شرائط نہ ہوں تو وہ تفسیر بالرائ مذموم کہلائے گی۔

آداب التفسیر:

(1)اصلاحِ نیت ہو کہ علوم قرآن عام ہو۔(2)تفسیر مخاطب کے مزاج کے موافق ہو۔(3) جامعیت کا پہلو

غالب ہو، محدودیت کا نہیں۔(4) مفسر کا انداز سلیس ہو، صعب نہ ہو۔

طریقہ تفسیر:

جامع تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ ہم تمام مفسرین کو خوش رکھیں، ہر مفسر کی تفسیر سے کچھ حصہ لیں، اور تفسیر میں نو باتوں کا لحاظ ہو۔

(1) ربط (2) تشریح المفردات لغۃ، صرفا ونحوا۔(3) نحوہ ترکیب۔(4) لفظی ترجمہ۔(5) شان نزول۔(6) تفسیر راجح۔(7) سوالات وجوابات۔(8) الاحکام المستنبطہ۔(9) نکات۔

درس فقہ:

سابقہ رکنِ عاملہ اور ضلع باجوڑ کے مسئول **مولانا ذاکر اللہ صاحب** نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

انسان فطرتاً اپنے شاگرد اور بیٹے کے تقدم سے خوش ہوتا ہے۔ **کلّمِ الناسَ علی قدر عقولھم**، لہٰذا چھوٹے درجہ کی کتابوں میں دلائل سے اجتناب کریں۔

میرے استاذ مفتی محمود اشرف عثمانی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب آپ حدیث پڑھیں تو کم از کم اسی دن اس پر عمل کریں۔ عربی شروحات سے استفادہ کریں۔ بغیر مطالعہ کے کبھی کوئی کتاب نہ پڑھائیں۔ مطالعہ برائے فہم، تفہیم اور تسہیل ہوا کرتا ہے۔

فہمِ ہدایہ کے لیے صرف حاشیہ پڑھنا بھی کافی ہے۔ ساتھی اس بات کا عزم کریں کہ جو کتاب پڑھائیں اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا کریں، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ کے لیے۔ طلبہ کی عبارت سنا کریں۔ دورانِ تدریس حاشیہ کی طرف اس انداز سے دیکھا کریں کہ طالب علم کو احساس نہ ہو دورانِ تدریس طالب علم کو دیکھا کریں، سر نہ جھکائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حسن نیت نصیب فرما کر آخری سانس تک اس خدمت کے لیے قبول فرمائے۔

علم الصرف والنحو:

حضرت مولانا فضل وہاب عرف سوات مولانا صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

علمی تعمیر کی بنیاد چونکہ نحو وصرف ہے، لہٰذا ان دونوں کا فہم ضروری ہے۔ صرف کی کمزوری نحو کی کمزوری، اور ان دونوں کی کمزوری احادیث کی کمزوری ہوگی۔ مبتدی کو شروع دن سے گردان اور اس کے معانی یاد کرنے کا کہنے سے کمزوری کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ ہمارا طریقہ خامیوں کے احتمال کے باوجود یہ ہے کہ مبتدی کے سامنے صیغے حل کرتے ہیں۔ مبتدی کے سامنے معروفات رکھتے ہیں، اور وہ بھی پشتو میں۔ صیغہ واحد مذکر غائب ہر اعتبار سے اصل ہے۔ صیغہ اس طرح حل کرتے ہیں کہ ضَرْبٌ مصدر ہے، اس سے تنوین ہٹا دیتے ہیں؛ کیونکہ وہ علامت اسم ہے، اور آخر

میں فتحہ دیتے ہیں کیونکہ صیغہ واحد مذکر غائب کے صیغے کا اول وآخر مفتوح اور بیچ والا حسب باب ہوتا ہے۔۔پھر بیچ والے کو فتحہ دیتے ہیں کیونکہ ماضی مجرد کے بیچ والا حرف متحرک ہوتا ہے۔تو ضرب بن جاتا ہے۔

پھر یہ واحد اس لئے ہے کہ اس میں تثنیہ اور جمع کی علامت نہیں۔

اور غائب اس لئے ہے کہ اس میں علامت تخاطب نہیں۔اور مذکر اس لئے ہے کہ اس میں علامات تانیث نہیں ہیں۔پھر تثنیہ بنانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آخر میں الف کا اضافہ کریں۔باقی صیغہ برقرار رہے گا اور جمع بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ آخر میں واؤ کا اضافہ کریں تو ضربَوْا بن جائے گا، چونکہ حرف علت کمزور ہے اپنے ماقبل مضبوط سہارا چاہتا ہے اور فتحہ کمزور حرکت ہے اس لیے اس کو ضمہ سے تبدیل کر دیا گیا تو ضـــربُـوا بن گیا۔پھر چونکہ بعض اوقات نون خفیفہ اور تنوین کی جگہ واؤ بھی آتا ہے مثلا یضـربنُ سے یضربوو، اور علیمٌ سے علیمو، لہذا اس اشتباہ سے بچنے کے لیے جمع کے آخر میں الف لگاتے ہیں تو ضربُوا بن جائے گا۔حروف علت کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرنا کہ تکلیف کے وقت وائی کی آواز نکلتی ہے اس لیے اس کو حروف علت کہتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حروف علت کمزور ہے، اپنی بقاء میں سہارے کے محتاج ہوتے ہیں، جیسے واؤ اپنا ماقبل مضموم چاہتا ہے وغیرہ۔ہر سور گیرے شاہ گل نہ وی۔۔ ہر "ت" تائے تانیث نہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں بہترین طریقہ سے پڑھانے اور تربیت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔۔۔اس پر مغز اور علمی گفتگو پر ایک کامیاب پروگرام کا اختتام ہوا۔

صحابہ کی دنیا سے بے رغبتی

امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لے گئے، عوام وخواص نے آپ کا استقبال کیا۔حضرت عمر نے پوچھا: میرا بھائی کہاں ہے؟ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: امین الامت ابوعبیدہ ابن الجراح (رضی اللہ عنہ)۔لوگوں نے کہا: وہ ابھی آپ کے پاس آجائیں گے، کچھ ہی دیر بعد حضرت ابوعبیدہ بھی وہاں پہنچ گئے۔حضرت عمر نے سواری سے نیچے اتر کر انھیں گلے لگا لیا، پھر ان کے گھر تشریف لے گئے۔آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ گھر میں ایک تلوار ایک ڈھال اور ایک کجاوہ موجود ہے۔کجاوے کی چادر بستر کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے اور جس تھیلے میں گھوڑے کا دانہ رکھا جاتا ہے وہی تھیلا بوقت ضرورت تکیہ بنا لیا جاتا ہے۔حضرت عمر نے پوچھا: اے ابوعبیدہ! آپ کے ساتھیوں نے مکان بنا لیے ہیں اور ان میں سامان بھی ڈال لیا ہے۔آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! قبر تک پہنچنے کے لیے یہ سامان بھی کافی ہے۔

تبصرہ کتب

فتوحاتِ اہل سنت

(معرکۃ الاراء علمی مناظروں کی روداد)

ترتیب: مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی۔ صفحات: 792۔ طباعت: مناسب۔ قیمت=/800۔ دارالسعید۔
03006379821

''مناظرہ'' استدلال کی قوت سے اپنی بات کو درست اور دوسرے کی بات کو رد کرنے کا نام ہے، خصوصاً مذہبی امور یا مسائل سے متعلق بحث، تقریر کا جواب تقریر میں دینا، اسے مناظرہ کہتے ہیں۔ یہ ایسا علم اور قوت کلام ہے کہ اہل علم نے اس کے قواعد وضوابط اور اصول وشرائط بھی طے کیے ہیں۔ اس کا مقصد حق کا احقاق اور باطل کا ابطال ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں مناظروں کی ایک مضبوط تاریخی روایت رہی ہے۔ معتزلی ہوں یا باطنی، بہائی ہوں یا قادیانی...... ہمارے اہل سنت علماء نے ان کے رد میں جہاں تصنیف وتالیف سے کام لیا وہیں ان کے تعاقب کے لیے مناظروں کے ذریعے بھی ان کی گمراہی کو عوامی سطح پر آشکارا کیا۔

زیر نظر کتاب ''فتوحاتِ اہل سنت'' اہل سنت اور رَوافض کے مابین ہونے والے مناظروں کا مجموعہ ہے، جسے مولا ثناء اللہ سعد نے ترتیب دیا ہے۔ اس مجموعے میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا اللہ یار خان، مولانا عبدالستار تونسوی، مولانا علامہ خالد محمود، مولانا علی شیر حیدری شہید رحمہم اللہ اور دیگر علماء کے ۳۵ تاریخی مناظرے جمع کیے گئے ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں دفاعِ صحابہ کے مشن کے لیے وقف کر دی تھیں؛ اور اہل رفض کا کامیاب تعاقب کیا تھا۔

ایک دور تھا جب اہل حق اور اہل باطل کے مابین مناظرے ہوتے تھے۔ اس دوران دونوں طرف سے اپنے اپنے موقف کے لیے علمی دلائل دیے جاتے تھے۔ یہ دلائل جہاں اہل علم کو آب ودَانہ کا کام دیتے وہیں عوام کے لیے بھی ان میں تسکین کا سامان ہوتا تھا۔ بہت سے بے راہ روانِ راہ ہدایت مناظروں کی سماعت اور مشاہدہ کر کے باطل سے بیزاری کا اعلان کرتے تھے۔ اگر چہ اب مناظروں کا دور دورہ نہیں رہا، اس کی جگہ ''مکالمے'' اور ''مباحثے'' نے لے لی ہے، بہر حال ان مناظروں کی علمی حیثیت اس اعتبار سے آج بھی مسلم ہے کہ ان میں پیش کیے جانے والے دلائل فرق باطلہ کے رد میں کام کرنے والوں کے لیے علمی ہتھیار کا کام دیتے ہیں۔ ان کا مطالعہ لذت علم سے سرشاری عطا کرتا ہے۔ جو احباب اس موضوع میں دلچسپی رکھتے ہیں، انہیں ضرور اس مجموعے کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اعجاز الصرف

تالیف: مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی۔صفحات: 304۔طباعت عمدہ۔ قیمت: لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا: مکتبۃ المفتی گوجرانوالہ۔رابطہ نمبر 03338143518

''حضرت مولانا محمد عیسیٰ خان گورمانی رحمۃ اللہ علیہ ماضی قریب کے جید عالم، مفتی اور استاذ الحدیث تھے۔گوجرانوالہ میں آپ نے تادمِ آخر مسند علم کو رونق بخشی، آپ کے ہزاروں تلامذہ ہوئے، جن میں آج کی کئی معروف شخصیات بھی شامل ہیں۔آپ ان لوگوں میں سے تھے جو فنا فی العلم ہوتے ہیں۔''اعجاز الصرف'' آپ کے ابتدائی زمانے کی تالیف ہے۔ یہ کتاب دراصل صرف سے متعلق فارسی اشعار پر مشتمل ایک نظم کی تشریح پر مبنی ہے۔ اور یہ شرح اپنے افادات واضافات کے سبب مستقل بالذات تصنیف بن گئی ہے۔اب حضرت کے فرزند مولانا حافظ احمد اللہ خان صاحب نے اس کی ترتیب جدید کے بعد شائع کیا ہے۔اس کتاب پر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا قاضی شمس الدین، مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازی رحمہم اللہ اور قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن زید مجدہم کی تقریظات شامل اشاعت ہیں۔حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

''مذکورہ بالا کتاب بعض وجوہ سے علم صرف'' کی اکثر کتابوں سے ممتاز ہے کہ بہت سے مسائل میں منظوم انداز اختیار کیا ہے کہ منظّم کلام کو حفظ کرنا آسان ہوتا ہے۔اور ان کی تفہیم کے لیے بہت خوب اور مختصر عبارت استعمال کی گئی ہے۔مشکل اور دقیق صیغے اس کتاب عزیز اور بعض کتب حدیث میں آئے ہیں، جو معقول اور مناسب معانی رکھتے ہیں اور ان کا اثر بھی ہے، انہیں مشق وتمرین کے طور پر حل کیا گیا ہے۔''

مولانا فضل الرحمٰن زید مجدہم نے ۱۹۷۰ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد اپنی دینی تعلیم کا آغاز حضرت مفتی محمد عیسیٰ گورمانی رحمہ اللہ کے پاس کیا تھا، آپ کے والد گرامی مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے تعلیم کے حصول کے لیے آپ کو مفتی محمد عیسیٰ گورمانی صاحب کے پاس بھیجا تھا۔مولانا فضل الرحمٰن زید مجدہم اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

''علوم قرآن وحدیث کے حصول کا دارومدار لغت عربی کا پورا ادراک کیے بغیر ممکن نہیں، جبکہ عربی زبان کو جاننا صرف ونحو پر عبور حاصل کیے بغیر ممکن نہیں۔اس اعتبار سے علم صرف کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔اس میدان میں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی محنت شاقہ نے ''اعجاز الصرف'' گراں قدر اور نمایاں علمی اضافہ کیا ہے۔جو مبتدیان علوم دینیہ وعربیہ کے لیے نہایت نافع سرمایہ ہے۔''

''حیاتِ طیبہ من اجتناب السیئہ''

ترتیب: قاری عبدالجبار مجاہد۔صفحات: 197۔طباعت: مناسب۔ قیمت: لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا: مکتبہ امام اہل سنت شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ۔رابطہ نمبر 03066426001۔

یہ کتاب بھی کشکول طرز کی ہے۔اس میں اللہ جل شانہ کی حمد وثنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اکابرامت کے ایمان افروز واقعات، منتخب احادیث، وظائف، علمی لطائف، بامقصد اشعار اور دینی و دنیوی معلومات پر مشتمل شذرات جمع کیے گئے ہیں۔اس کتاب سے اہل ذوق اعتناء برت سکتے ہیں۔

''تاریخ روغانی''

مولف: مولانا عبدالستار درویش۔صفحات: 288۔ طباعت: عمدہ۔ قیمت: 600 روپے۔ ملنے کا پتا: مکتبہ عزیزیہ محلّہ جنگی، قصہ خوانی بازار پشاور۔رابطہ:03009151688

جس طرح علاقوں اور ملکوں کی تاریخ اہمیت کی حامل ہوتی ہے اسی طرح قوموں کی تاریخ بھی نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔اس سے مذکورہ قوم کی عادات، خصائل، نفسیات، اور تاریخی واقعات سامنے آتے ہیں۔ان کی قومی خدمات کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ایسی کتابیں جہاں قوموں کی امانت ہوتی ہیں وہیں مورخین کے لیے بھی نہایت مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

''تاریخ روغانی''، ایسی ہی ایک کتاب ہے، جس میں روغانی اور مشوانی قوم کی تاریخ پر نایاب علمی وتحقیقی مواد پیش کیا گیا ہے۔آغاز میں پٹھانوں کی اصلیت ونسلیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس میں مختلف مورخین کے اقوال، اعتراضات اور جوابات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے مرحلے میں مولف نے پٹھانوں میں پھیلی نو سادات اقوام کا جائزہ پیش کیا ہے۔کتاب کا اصل موضوع پٹھانوں کا روغانی اور مشوانی قبیلہ ہے۔مصنف نے اہم مستند کتابوں کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ روغانی قوم حضرت سید محمد گیسو دراز رحمہ اللہ کی اولاد میں سے ہے۔سید محمد گیسو دراز نے اپنے خاندان کے ہمراہ عراق سے تبلیغ دین کے لیے ہجرت کی اور افغانستان کے علاقے کوہِ سلیمان میں آکر پڑاؤ کیا۔ان میں سے ان کی چار نرینہ اولاد ہوئیں جن کے ذریعے عربوں کی نسل پٹھانوں میں منتقل ہوئی۔اس قوم میں بڑے علماء، مجاہدین اور فاتحین ہوئے، جنھوں نے اپنی قوم کا نام روشن کیا۔تفصیل اس کتاب میں ہے۔روغانی اور مشوانی قوم سے تعلق رکھنے والے احباب اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔